فیض الهدایة

لحل

اسئلة الهدایة

مرتّب
سیّد محمد احمد قاسمی
فاضل دار العلوم دیوبند

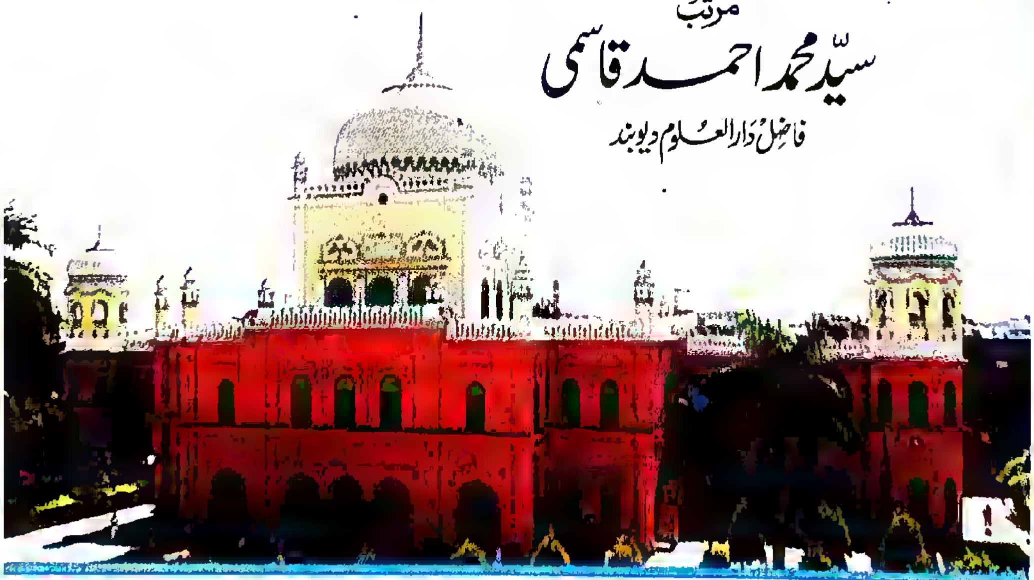

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب	: فیض الہدایہ لحل اسکلۃ الہدایہ (ثانی)
مؤلف	: سیّد محمد احمد قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند
باہتمام	: فیض الحسن اعظمی
صفحات	: 200
ناشر	: مکتبہ صوت القرآن دیوبند 01336-223460

ملنے کے پتے

کتب خانہ حمیدیہ، جامع مسجد دہلی ❁ شبلی کتاب گھر اعظم گڈھ

ثاقب بک ڈپو سنبھل ❁ دیوبند اسلامک بک اسٹور دیوبند

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

MAKTABA SAUTUL QURAN

Madani Market, Deoband, E-mail: faizulhasanazmi@gmail.com

Mob: 93586911053 Ph: 01336-223460

website: www.deobandtody.com/sautul-quran

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

انتساب

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام جس نے ہمارے اندر احساس و شعور کو بیدار کیا اور جس کے فیضانِ صحبت سے کچھ کرگزرنے کا حوصلہ ہوا۔

اور

اپنے مشفق و مربی اساتذہ کرام کے نام جنہوں نے اپنے علمی دریا سے سیراب کرکے مجھے اس لائق بنایا۔

اور

اپنے مشفق و مخلص والدین کے نام جن کی بے پایاں کوششوں اور مخلصانہ شفقتوں اور مبارک دعاؤں کی بدولت اس مقام تک ہماری رسائی ہوسکی۔

سیّد محمد احمد قاسمی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عرضِ مؤلف

نحمدهٗ ونصلي علىٰ رسوله الكريم. أمّابعد!

مدارسِ اسلامیہ میں درسِ نظامی کی کتابیں جس انداز سے ماضی میں پڑھائی جاتی تھیں، آج بھی بحمد اللہ اسی انداز سے پڑھائی جارہی ہیں، اس میں اب تک کوئی نقص پیدا نہیں ہوا، طلبہ ماضی میں بھی اس معیار کے ہوتے تھے جس معیار کے حال میں ہیں، بس فرق صرف شوق اور لگن کا ہے، اوّلین اور سابقین میں شوق اور لگن بدرجۂ اتم موجود تھا اور اس دَور میں برائے نام ہی ہے ایسا بالکل نہیں ہے کہ ماضی کے طلبہ ذکی وذہین اور جیّد الاستعداد تھے اور حال کے نہیں ہیں، بلکہ آج کے دَور میں سامانِ عیش وعشرت کی بہتات ہے اور خصوصاً موبائل، کہ جس میں اکثر طلبہ ملوّث ہیں، لہٰذا ان رنگینیوں میں مشغولیت نے طلبہ کو محنت کرنے سے روک دیا ہے، اب ظاہر سی بات ہے کہ جب طلبہ ان عیش وعشرت میں رہیں گے اور محنت کم کریں گے تو امتحان کے وقت اپنا مقصد یاد آنے لگے گا اور کہا گیا ہے کہ: "عند الامتحان يكرم الرجل أو يهان" اور ظاہر ہے کہ اپنی توہین کسی کو برداشت نہیں ہوگی، مگر طلبہ جب کتابوں کی پیچیدہ عبارتوں اور پچھلے سوالات میں عبارت کے ضمن میں آنے والے غیر متوقع جزئیات کو دیکھتے ہیں تو طلبہ کو تلاشِ بسیار کے باوجود بہت سی شرحوں میں وہ جزیئے نہیں ملتے تو پھر وہ ہمت ہار جاتے ہیں اور اس وقت احساسِ کمتری کا شکار ہوکر کچھ نہیں کرپاتے۔

تو ایسی حالت میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ "ہدایہ ثانی" کا ایک ایسا نوٹ تیار کیا جائے کہ جس میں سوالات میں عبارت کے ضمن میں آنے والے تمام جزئیات آجائیں اس نوٹ کا مقصد محض حل سوالات کرنا قطعاً نہیں ہے، بلکہ ان تمام جزئیات کو حل کرنا ہے جو عموماً مدارسِ اسلامیہ میں طلبۂ عزیز کی ذہنی پرواز کو پرکھنے کے لیے سوالات میں پوچھے جاتے ہیں۔

بہر حال! مجھے ہمہ وقت اپنی کم علمی کا اعتراف ہے، اس لیے قارئین کرام سے خامیوں پر مطلع فرمانے کی اور مستفید ہونے والے احباب سے دعائے خیر کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نکاح کا بیان

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۵

اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِىْ، لِأَنَّ الصِّيْغَةَ وَ إِنْ كَانَتْ لِلْإِخْبَارِ وَضْعاً فَقَدْ جُعِلَتْ لِلْإِنْشَاءِ شَرْعاً دَفْعاً لِلْحَاجَةِ.

(الف): ترجمہ کیجئے اور مطلب لکھیے۔

(ب): ایجاب وقبول کی تعریف کیجئے۔

(ج): ''لأن الصيغة'' سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟

(د): نکاح کے ارکان تحریر کریں نیز نکاح کی لغوی اور اصطلاحی تعریف لکھیں۔

الجواب:

(الف): **ترجمہ**: نکاح متحقق ہوتا ہے ایجاب وقبول کے ساتھ ایسے دو لفظوں سے جسے ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ (ماضی کا) صیغہ اگرچہ وضعاً اخبار کے لیے ہے لیکن اسے شرعاً انشاء کے لیے بنا دیا گیا ہے ضرورت کو دفع کرنے کے لیے۔

تشریح: اس مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ اس ''عقد خاص'' یعنی نکاح کے تحقق کے لیے، ایجاب وقبول ضروری ہے، چنانچہ جب ایجاب وقبول پایا گیا تو نکاح متحقق ہو جائے گا اور مصنف نے ''بلفظين'' کہہ کر تحریر کو خارج کر دیا گیا یعنی اگر فقط تحریر کے ذریعے ایجاب وقبول ہوا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور ایجاب وقبول میں ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے۔

لِأَنَّ الصِّيْغَةَ: سے دلیل کی صورت میں اشکال کا جواب دیا گیا ہے۔ حاصلِ اشکال

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ ہے کہ نکاح انشاء کے قبیل سے ہے اور انشاء کہتے ہیں: ''اثبات مالم یکن ثابتًا'' کو یعنی جو چیز ثابت نہیں تھی اس کو ثابت کرنا۔ اور حدوث امر فی الحال کو یعنی زمانہ موجودہ میں کسی امر کو عدم سے وجود میں لانا۔ لہٰذا انعقاد نکاح ایسے لفظ کا محتاج ہوگا جو صراحۃً اس معنیٰ پر دلالت کرے اور لغت میں ایسا لفظ موجود نہیں جو صراحۃً حدوث امر فی الحال پر دلالت کرے؛ کیونکہ ماضی تو گزشتہ پر دلالت کرتی ہے اور مضارع جس طرح حال پر دلالت کرتا ہے استقبال پر بھی دلالت کرتا ہے، لہٰذا مضارع کی دلالت حال پر صریحی نہیں ہوگی، تو ایجاب وقبول کو صیغۂ ماضی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ صیغۂ ماضی کو تو اخبار کے لیے وضع کیا گیا ہے؛ لیکن مصالح نکاح کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انشاء کے معنیٰ میں نقل کیا گیا جیسے: جملہ دعائیہ ''سقی اللّٰہ شراہ'' اور افعالِ مدح ''نعم'' اور ذم ''بئس'' میں ماضی کو انشاء کے معنیٰ میں نقل کرلیا گیا ہے۔

(ب): **الایجاب: هو اللفظ الصادر من احد المتعاقدين اولاً.**

(حاشیہ ہدایہ: ص/۲۸۵)

القبول: هو اللفظ الصادر من احد المتعاقدين ثانياً.

(ملخص فتح القدیر: ص/۲۸۵، ج/۳)

(ج): اس کی توضیح وتشریح کے ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(د): نکاح کے دو ارکان ہیں (۱) ایجاب (۲) قبول۔

(د): نکاح کے لغوی واصطلاحی معنیٰ: نکاح کے لغوی معنیٰ ''ملانے'' کے آتے ہیں اور اصطلاح میں وہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ **النكاح هو عقد موضوع لملك المتعة.** (شرح وقایہ: ص/۴، ج/۲)

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۵

وَ يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَ التَّزْوِيجِ وَ الْهِبَةِ وَ الصَّدَقَةِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَ التَّزْوِيجِ...... وَ لَنَا أَنَّ التَّمْلِيكَ سَبَبٌ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ فِي مَحَلِّهَا بِوَاسِطَةِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ، وَهُوَ الثَّابِتُ بِالنِّكَاحِ، وَالسَّبَبِيَّةُ طَرِيْقُ الْمَجَازِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): مطلب تحریر کیجئے۔

(ج): دلیلِ احناف کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعیؒ کی دلیل بھی لکھئے نیز والسببیۃ الخ سے کس طرف اشارہ ہے؟ واضح کیجئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور نکاح منعقد ہو جائے گا، (لفظ) نکاح، تزویج، ہبہ اور صدقہ سے اور امام شافعیؒ نے فرمایا: نکاح منعقد نہیں ہوگا مگر لفظ نکاح اور لفظ تزویج سے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تملیک، ملک متعہ کا سبب ہے متعہ کے محل میں ملک رقبہ کے واسطے سے اور یہ نکاح سے ہی ثابت ہے اور سببیت مجاز کا طریق ہے۔

(ب): **تشریح**: اس مسئلہ میں دو قسم کے الفاظ بیان کئے گئے ہیں (۱) نکاح وتزویج (۲) ہبہ وصدقہ پہلی قسم میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سب کے نزدیک بالاتفاق ان دونوں سے نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ دوسری قسم میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک لفظ ''نکاح'' اور لفظ ''تزویج'' کے علاوہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(ج): امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اگر لفظ نکاح وتزویج کے ماسوی دیگر الفاظ سے نکاح منعقد ہوگا تو یا تو وہ ''لفظ'' نکاح کے معنیٰ میں حقیقت ہوگا یا مجاز ہوگا حقیقی معنیٰ میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر حقیقی معنیٰ میں ہو تو لفظ ہبہ وغیرہ از دواج اور نکاح کے مرادف ہوں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہبہ وغیرہ کا تحقق ایسی جگہ ہو جاتا ہے جہاں نکاح کا تحقق نہیں ہوسکتا تو معلوم ہوا کہ ہبہ وغیرہ جیسے الفاظ نکاح کے معنیٰ میں حقیقت نہیں ہیں اور نہ ہی مجاز ہیں کیونکہ ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ تزویج کے معنیٰ ''جوڑنے'' اور نکاح کے معنیٰ ''ملانے'' کے ہیں اور مالک اور مملوک کے درمیان از دواج

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور ضم نہیں ہوتا لہٰذا مناسبت نہیں پائی گئی اور بغیر مناسبت کے مجازی معنیٰ لیے نہیں جا سکتے لہٰذا ہبہ وغیرہ نکاح کے مجازی معنیٰ میں بھی نہیں ہیں، لہٰذا عقد صرف لفظ ''نکاح'' اور ''تزویج'' سے منعقد ہوگا۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ ہبہ وغیرہ الفاظ، نکاح کے معنیٰ میں مجاز ہیں اور مناسبت بھی پائی جارہی ہے اور وہ اس طرح کہ ہبہ میں میں تملیک ہوتی ہے (اور اسی پر دیگر کو قیاس کیا جائے) اور تملیک، ملکِ رقبہ کے واسطے سے، ملک متعہ کا سبب ہوتی ہے محل متعہ میں، اور نکاح سے بھی ملک متعہ کا ثبوت ہوتا ہے نیز تملیک سے بھی بواسطہ ملک رقبہ، ملک متعہ کا ثبوت ہوتا ہے تو یہ الفاظ اگر چہ حقیقتاً ملک متعہ کے لیے وضع نہیں کیے گئے لیکن ثبوت ملکِ متعہ پر دلالت کرتے ہیں ملک رقبہ کے واسطے سے، لہٰذا ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اور سبب یعنی (ملک رقبہ) بول کر مسبب یعنی (ملک متعہ) مراد لینا یہ مجاز کے طرق میں سے ایک طریق ہے تو اس تقریر سے ہبہ وغیرہ کے الفاظ کا مجازی معنیٰ میں استعمال ثابت ہو گیا لہٰذا اگر کہیں محل کے اندر حقیقی معنیٰ کو قبول کرنے کی صورت نہ ہو تو مجازی معنیٰ مراد ہوں گے جیسے نکاح کے موقع پر کہ جب لفظ ہبہ بولا تو اس کے حقیقی معنیٰ یعنی تملیک رقبہ تو ہو نہیں سکتے اس لیے کہ وہ عورت آزاد ہے، لہٰذا مجازی معنیٰ مراد ہوں گے اور وہ تملیک ملکِ متعہ ہے چنانچہ نکاح درست ہو جائے گا۔ (فتح القدیر: ج۳، ص:۱۸۱)

قولہ فی محلها: اس قید سے ان لوگوں کو نکالنا ہے جو محل متعہ نہیں ہیں جیسے غلام، جانور وغیرہ۔

والسببية طريق المجاز: اس کا مطلب یہ ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لینا یہ بھی مجاز کا ایک علاقہ اور طریق ہے اور اس طرح یہ الفاظ نکاح کے مجازی معنیٰ ہو جاتے ہیں اور مجاز مراد لینا جس طرح معنیٰ لغوی میں درست ہے اسی طرح شرع میں بھی مجاز کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتح القدیر ص:۱۸۵، ج۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۶

لَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ مُسْلِمَيْنِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَ امْرَأَتَيْنِ عَدُوْلاً كَانُوْا أَوْ غَيْرَ عَدُوْلٍ اَوْ مَحْدُوْدَيْنِ فِي الْقَذْفِ وَلَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ حَتّٰى يَنْعَقِدَ بِحَضْرَةِ الْفَاسِقَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافاً لِلشَّافِعِيِّ لَهُ أَنَّ الشَّهَادَةَ مِنْ بَابِ الْكَرَامَةِ وَالْفَاسِقُ مِنْ أَهْلِ الْإِهَانَةِ وَلَنَا أَنَّهُ مِنْ اَهْلِ الوِلَايَةِ فَيَكُوْنُ مِنْ أَهْلِ الشهادَةِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): گواہوں میں عقل وبلوغ اور حریت کی شرط لگانے کی وجہ تحریر کریں۔

(ج): ولایت کے مفہوم کی وضاحت کریں۔

الجواب:

(الف): **ترجمہ**: دو مسلمانوں کا نکاح نہیں منعقد ہوتا ہے مگر ایسے دو گواہوں کی موجودگی میں جو آزاد ہوں عاقل ہوں، بالغ ہوں، مسلمان ہوں، دونوں مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، عادل ہوں یا غیر عادل، یا محدود فی القذف ہوں اور نکاح میں عدالت کی بھی شرط نہیں لگائی گئی ہے؛ چنانچہ ہمارے نزدیک دو فاسقوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہو جائے گا، امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت کرامت کے باب میں سے ہے اور فاسق اہل اہانت میں سے ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق اہلِ ولایت میں سے ہے لہٰذا وہ اہلِ شہادت میں سے بھی ہوگا۔

(ب): گواہوں میں عقل وبلوغ کی شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ بغیر عقل وبلوغ کے ولایت حاصل نہیں ہوتی اور شہادت باب ولایت میں سے ہے لہٰذا عقل وبلوغ کی شرط ضروری ہے اور حریت کی شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ شہادت ایک درجہ کی ولایت ہے اور غلام کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کسی بھی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے لہٰذا حریت کی شرط بھی ضروری ہے۔ (ہدایہ ثانی:۳۰۶)

(ج): ولایت کا مفہوم: یہاں پر ولایت سے مراد "ولایت ناقصہ" ہے اور ولایت ناقصہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ذات پر ولایت حاصل ہو لیکن بابِ قضا میں معتبر نہ ہو اور فاسق کو ولایتِ ناقصہ حاصل ہے اس لیے کہ وہ اپنے ذاتی تصرفات کا مختار ہے اور جسے ولایت حاصل ہو اگر چہ ناقصہ ہی کیوں نہ ہو وہ شہادت کا اہل ہوگا اس لیے کہ شہادت ولایت کے باب میں سے ہے لہٰذا فاسق اہلِ شہادت میں سے ہوگا۔

ہدایہ ثانی: ص:۳۰۷

وَإِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّ السَّمَاعَ فِي النِّكَاحِ شَهَادَةٌ وَلَا شَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ فَكَأَنَّهُمَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الْمُسْلِمِ وَلَهُمَا أَنَّ الشَّهَادَةَ شُرِطَتْ فِي النِّكَاحِ عَلَى اعْتِبَارِ إِثْبَاتِ الْمِلْكِ لِوُرُودِهِ عَلَى مَحَلٍّ ذِي خَطَرٍ لَا عَلَى اعْتِبَارِ وُجُوبِ الْمَهْرِ إِذْ لَا شَهَادَةَ تُشْتَرَطُ فِي لُزُومِ الْمَالِ وَهُمَا شَاهِدَانِ عَلَيْهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب لکھتے ہوئے مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور اگر کسی مسلمان نے کسی ذمیہ (کتابیہ) عورت سے دو ذمیوں کی گواہی کے ساتھ نکاح کیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نکاح کے اندر (ایجاب وقبول کو) سننا شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے، پس گویا دونوں ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں اور شیخینؒ کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل یہ ہے کہ شہادت کی نکاح میں شرط لگائی گئی ہے ملک (بضع) کو ثابت کرنے کا اعتبار کرتے ہوئے، ذی عظمت محل پر ملکیت کے ورود کے لیے، نہ کہ وجوب مہر کا اعتبار کرتے ہوئے اس لیے کہ لزومِ مال میں شہادت شرط نہیں ہے اور وہ دونوں ذمی، ذمیہ کے خلاف شاہد ہیں۔

(ب): **تشریح**: ماقبل میں گواہوں کا مسلمان ہونا شرط بتلایا گیا تھا، عبارت کا مسئلہ اسی پر متفرع ہے: ذمی وہ کافر لوگ ہیں جو ملک اسلام میں فرمانبر داری و ذمہ داری پر بستے ہوں۔ خواہ ہندو ہوں یا یہودی یا نصرانی لیکن متن یعنی عبارت میں ذمیہ سے مراد اہل کتاب ہے یعنی یہودی ہو یا نصرانی۔ کیوں کہ مسلمان کا نکاح صرف کتابیہ سے جائز ہے غیر کتابیہ سے جائز نہیں ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمیہ یعنی اہل کتاب عورت سے نکاح کیا اور گواہ دو ذمی کو بنایا تو اس کے نکاح کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے، شیخینؒ جواز کے قائل ہیں، امام محمدؒ اور امام زفرؒ عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کے سننے کا نام شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے، تو گویا کہ ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں۔ الحاصل ان دونوں حضرات نے سماع کو عدم سماع پر قیاس کیا ہے۔ اور جب ایجاب وقبول کو سنا ہی نہیں تو شہادت پائی ہی نہیں گئی اور جب شہادت نہیں پائی گئی تو نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا۔

شیخینؒ کی دلیل کا حاصل: یہ ہے کہ نکاح میں دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ ملکِ بضع شوہر کے لیے ثابت کیا جاتا ہے دوسرے یہ کہ عورت کے لیے شوہر پر مہر واجب ہوتا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ شہادت ایسی چیز کے لیے ہوتی ہے جو قابلِ احترام ہو اور بضع ایک محترم چیز ہے، تو معلوم ہوا کہ شہادت "بضع" کے لیے ہے اور مال کوئی محترم چیز نہیں ہے، کیونکہ نکاح کے وقت اگر مال کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بات

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ثابت ہوگئی کہ نکاح میں گواہ اس لیے بنائے جاتے ہیں تاکہ شوہر کے واسطے عورت پر بضع کی ملکیت ثابت ہوجائے اور نکاح میں گواہ بنانے کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ شوہر پر عورت کے لیے مال واجب ہو، حاصل کلام یہ نکلا کہ گواہی ملکِ بضع علی الزوجہ کو شوہر کے واسطے ثابت کرنے کے لیے ہے نہ کہ شوہر پر مال کو واجب کرنے کے لیے ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ گواہی مسلمان شوہر کے حق میں ہے اور ذمیہ عورت کے خلاف ہے اور کافر کی گواہی مسلمان کے حق میں قبول کرلی جاتی ہے۔ ہاں! البتہ مسلمانوں کے خلاف کافر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، لہٰذا ذمیوں کی گواہی سے یہ نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ یہ مسلمان کے حق میں ہے۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۸

فَإِنْ تَزَوَّجَ أُخْتَ اَمَةٍ لَهُ وَطِيَهَا صَحَّ النِّكَاحُ لِصُدُوْرِهِ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إِلٰى مَحَلِّهِ وَ إِذَا جَازَ لَا يَطَأُ الْأَمَةَ وَ إِنْ كَانَ لَمْ يَطَأِ الْمَنْكُوْحَةَ لِاَنَّ الْمَنْكُوْحَةَ مَوْطُوْءَةٌ حُكْماً وَلَا يَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ لِلْجَمْعِ إِلَّا إِذَا حَرَّمَ الْمَوْطُوْءَةَ عَلٰى نَفْسِهِ بِسَبَبٍ مِّنَ الْأَسْبَابِ فَحِيْنَئِذٍ يَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْياً وَيَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ إِنْ لَمْ يَكُنْ وَطِيءَ الْمَمْلُوْكَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْياً إِذِ الْمَرْقُوْقَةُ لَيْسَتْ مَوْطُوْءَةً حُكْماً.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): صورتِ مسئلہ لکھ کر عبارت کا مطلب وضاحت کے ساتھ لکھئے۔

(ج): جب نکاح صحیح ہوگیا تو منکوحہ سے وطی کیوں صحیح نہیں ہے؟ اگر منکوحہ سے جواز وطی کی کوئی صورت ہوتو وضاحت سے لکھئے۔

(د): لا یطأ الأمة میں أمة سے کون مراد ہے؟ منکوحہ یا مملوکہ۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: پس اگر نکاح کیا اپنی ایسی باندی کی بہن سے جس سے وطی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کر چکا ہے تو نکاح صحیح ہے نکاح کے صادر ہونے کی وجہ سے اس کے اہل سے اس کے محل کی طرف منسوب ہوتے ہوئے۔ اور جب نکاح جائز ہو گیا تو باندی سے وطی نہ کرے اگر چہ منکوحہ سے وطی نہیں کی۔ اس لیے کہ منکوحہ حکماً موطوءہ ہے اور منکوحہ سے وطی نہ کرے جمع کی وجہ سے مگر جب کہ موطوءۃ کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ اسباب میں سے کسی سبب سے۔ پس اس وقت منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے ازراہِ وطی جمع نہ ہونے کی وجہ سے اور منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے اگر مملوکہ سے وطی نہیں کی تھی ازراہِ وطی جمع نہ ہونے کی وجہ سے۔ اس لیے کہ مملوکہ باندی حکماءً موطوءہ نہیں ہے۔

(ب): تشریح : صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے ملک میں کوئی باندی ہے اور اس نے اپنی مملوکہ باندی سے وطی کر لی ہے اور اس مملوکہ باندی کی ایک بہن ہے جو دوسرے کی ملک میں ہے، جس سے اس موطوءہ کے باندی کے آقا نے اس کے آقا سے اجازت لے کر اس سے نکاح کرا لیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

دلیل: یہ ہے کہ یہ نکاح ایسے عاقل سے صادر ہوا ہے جو نکاح کی لیاقت رکھتا ہے یعنی موطوءہ باندی کا آقا نکاح کرنے کی لیاقت رکھتا ہے اور منسوب ہے محلِ نکاح کی طرف یعنی موطوءہ باندی کی بہن کی طرف جو اس کی مملوکہ نہیں ہے نیز وہ باندی محلِ نکاح بھی ہے اس لیے نکاح منعقد ہو جائے گا۔ پس جب نکاح جائز ہو گیا تو نکاح کے جائز ہونے کے بعد آقا اپنی موطوءہ باندی سے وطی نہیں کر سکتا اگر چہ ابھی منکوحہ باندی سے وطی نہیں کی ہے؛ کیونکہ منکوحہ موطوءہ کے حکم میں ہے، اسی طرح منکوحہ باندی سے بھی وطی نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں وطیاً جمع کرنا لازم آئے گا یعنی وطی میں دو بہنوں کے درمیان جمع کرنا لازم آئے گا اور وطی میں دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر موطوءہ باندی کو اپنے اوپر کسی بھی سبب سے حرام کر لے مثلاً موطوءہ باندی کو فروخت کر دیا، یا دوسرے کو ہبہ کر دیا اور قبضہ بھی دلا دیا کیونکہ ہبہ بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتا ہے، تو اس صورت میں منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں دو بہنوں کو وطیاً جمع کرنا لازم نہیں آئے گا اور اگر آقا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نے اپنی مملوکہ سے مطلقاً ابھی تک وطی کی ہی نہیں تھی تو منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے، دلیل یہ ہے کہ مملوکہ نہ تو حقیقتاً موطوءہ ہے اور نہ حکماً۔ حقیقتاً تو ظاہر ہے، اور حکماً بھی موطوءۃ نہیں ہے کیوں کہ ملک یمین کو ''وطی'' کے لیے وضع نہیں کیا گیا۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص: ۲۰۴)

لہٰذا اس صورت میں وطی کے طور پر دو بہنوں کے درمیان جمع کرنے کی خرابی لازم نہیں آئے گی اس لیے منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے۔

(ج): جب نکاح صحیح ہو گیا تو منکوحہ سے وطی صحیح نہیں ہے کیونکہ منکوحہ حکم میں موطوءہ کے ہے اگر وطی کر لے گا تو اس صورت میں دو بہنوں کے درمیان وطی میں جمع کرنا لازم آئے گا اس لیے منکوحہ سے وطی کرنا جائز نہیں ہے ہاں البتہ اگر موطوءہ کو اپنے اوپر کسی سبب سے حرام کر لے مثلاً موطوءہ کو بیچ دے یا دوسرے کو ہبہ کر دے اور اس کو قبضہ بھی دلا دے تو اب منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل تشریح کے ضمن میں گذر گئی وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(د): ''لا یطأ الأمة أمة'' سے موطوءہ باندی مراد ہے نہ کہ منکوحہ۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۸

فَإِنْ تَزَوَّجَ أُخْتَيْنِ فِي عَقْدَتَيْنِ وَلَا يُدْرِي أَيَّتُهَا الْأُولٰى فُرِّقَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ نِكَاحَ أَحدِهما بَاطِلٌ بِيَقِينٍ وَلَا وَجْهَ إِلَى التَّعْيِينِ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ وَلَا إِلَى التَّنْفِيذِ مَعَ التَّجْهِيلِ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ أَوْ لِلضَّرَرِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيقُ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب تحریر کریں۔

(ج): عقدتین کی قید کا فائدہ اور لعدم الفائدۃ اور للضرر کی مراد متعین کریں۔

(د): یہ بتلائیں کہ مہر ان دونوں میں سے کس کو اور کتنا ملے گا؟

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اگر اس نے دو بہنوں سے دو عقد میں نکاح کیا اور اسے یہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

معلوم نہیں ہے کہ پہلی کون ہے تو مرد اور دونوں بہنوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اس لیے کہ ان دونوں میں سے ایک کا نکاح یقینی طور پر باطل ہے اور متعین کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اولویت نہ ہونے کی وجہ سے اور ناواقفیت کے ساتھ نافذ کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے یا ضرر کی وجہ سے، لہٰذا تفریق متعین ہوگئی۔

(ب): **تشریح**: ماقبل میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''جمع بین الاختین حرام ہے'' یہ مسئلہ اسی پر متفرع ہے، چنانچہ کسی نے دو بہنوں سے دو الگ الگ عقد میں نکاح کیا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس سے نکاح ہوا ہے تو ان کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔

دلیل: یہ ہے کہ ایک کا نکاح (جس سے بعد میں ہوا ہے) یقینی طور پر باطل ہے، اب نکاح کے درست قرار دینے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) متعین طور پر ایک کا نکاح صحیح قرار دیا جائے اور دوسرے کا باطل تو یہ درست نہیں، چونکہ نکاح میں مقدم ہونا معلوم نہیں ہے، اور اس صورت میں ترجیح بلا مرجح بھی لازم آئے گی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مبہم طور پر ایک کا نکاح نافذ کردیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ تم دونوں میں سے ایک کا نکاح صحیح ہے اور جس کا نکاح درست قرار دیا ہے، اس کی تعیین نہ کی جائے یہ بھی درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اور نقصان ہے، لہٰذا اب ایک ہی صورت رہ گئی کہ ان کے درمیان تفریق کردی جائے، لہٰذا تفریق کردی جائے گی۔

(ج): **عقدتین** کا فائدہ اور **لعدم الفائدۃ** اور **للضرر** کی مراد کی وضاحت:

مصنفؒ نے عقدتین کی قید لگائی ہے اس لیے کہ اگر دونوں سے نکاح ایک ہی عقد میں ہوا تو یقینی طور پر نکاح دونوں سے باطل ہے۔ (فتح القدیر: ج ۳/ص ۳۰۵)

لعدم الفائدۃ: یعنی استمتاع کا حلال نہ ہونا اور **للضرر** سے مراد شوہر پر نفقہ سکنی وغیرہ کا لازم ہونا (حالانکہ مقصود یعنی استمتاع اسے حاصل نہیں ہوا) اور عورت کا محبوس و مقید ہوجانا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نوٹ: عبارت میں ''او'' کی جگہ پر ''واؤ'' ہونا زیادہ بہتر ہے اور یہ تمام تشریح اسی اعتبار سے ہے۔ (کمافی فتح القدیر: ج ۳/ص ۳۰۵)

(د): مہران دونوں میں سے کس کو اور کتنا ملے گا: مہر دونوں کی مجموعی طور پر مسمّی کا آدھا ملے گا جس کو دونوں آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیں گی۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۹

وَ مَنْ زَنٰی بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُمُّها وَبِنْتُهَا وقال الشافعیؒ الزِّنا لاَ يُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ لِأَنَّهَا نِعْمَةٌ فَلاَ تَنَالُ بِالْمَحْظُوْرِ وَلَنَا أَنَّ الْوَطْيَ سَبَبُ الجُزْئِيَّةِ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ حَتّٰى يُضافَ إِلٰى كُلِّ واحِدٍ مِنْهُمَا كَمُلاً فَيَصِيرُ أُصولُها وفُرُوعُها كَأُصُولِه وَفُرُوعِه وَكَذَالِكَ عَلَى الْعَكْسِ والإِسْتِمْتاعُ بِالْجُزْءِ حَرَامٌ اِلَّا فِيْ مَوْضِعِ الضَّرُوْرَةِ وَهِيَ الْمَوْطُوْءَةُ وَالْوطْئُ الْوَطْيُ مُحَرِّمٌ مِنْ حَيْثُ أَنَّهٗ سَبَبُ الْوَلَدِ لاَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهٗ زِنَاءٌ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب تحریر کریں۔

(ج): حرمتِ مصاہرت کا نعمت ہونا بیان کریں۔

(د): اِلَّا فی موضع الضرورۃ سے کس شبہ کو دفع کر رہے ہیں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی، تو اس پر اس کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی اور امام شافعیؒ نے فرمایا زنا، حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتا اس لیے کہ حرمت مصاہرت ایک نعمت ہے لہٰذا وہ ممنوع شی سے حاصل نہ ہوگی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وطی، ولد کے واسطے سے جزئیت کا سبب ہے حتیٰ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ ولد کو ان دونوں میں ہر ایک کی جانب مکمل منسوب کیا جائے گا، چنانچہ مزنیہ کے اصول وفروع زانی کے اصول وفروع کی طرح ہو جائیں گے اور اسی طرح برعکس، اور جزء سے فائدہ اٹھانا حرام ہے مگر ضرورت کی جگہ میں اور وہ موطوءہ ہے اور وطی حرام کرنے والی ہے اس حیثیت سے کہ وہ ولد کا سبب ہے اس حیثیت سے نہیں کہ وہ زنا ہے۔

(ب): **تشریح**: اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے بدکاری کی تو دونوں کے اصول وفروع دونوں پر حرام ہو جائیں گے تو گویا کہ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے اور امام شافعیؒ کہتے ہیں اس کے بدکاری کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی لہٰذا اصول وفروع حرام نہیں ہوں گے اور اس بات کی دلیل کہ حرمتِ مصاہرت ثابت کیوں نہیں ہوگی؟

فرماتے ہیں کہ حرمتِ مصاہرت ایک نعمت ہے اور نعمت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں پر اپنے احسانات جتلاتے ہوئے فرمایا: "فَجَعَلَهُ نَسَباً وصِهراً" اور اس وجہ سے بھی نعمت ہے کہ اس سے اجنبیات ماں کے درجہ میں ہو جاتی ہیں جیسے خوشدامن، اور نعمت کسی ممنوع شی سے حاصل نہیں ہوتی اور زنا تو ممنوع ہے لہٰذا اس سے مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ (فتح القدیر بنایہ: ص/۳۹)

ہماری دلیل: یہ ہے کہ وطی، ولد کے واسطے سے جزئیت کا سبب ہے اسی لیے لڑکے کو دونوں میں سے ہر ایک کی جانب مکمل منسوب کیا جاتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے، زید، رقیہ کا لڑکا ہے یا خالد کا لڑکا ہے اور یہ لڑکا دونوں کا جزء ہے پس جب ولد کو عورت کی جانب مکمل منسوب کیا تو مرد کا جزء جو کہ لڑکا ہے اسے بھی عورت کی جانب منسوب کر دیا گیا اسی طرح عورت کے مسئلہ میں جب مرد کی جانب منسوب کیا جائے تو دونوں ایک دوسرے کے جزء ہو گئے اور شخصِ واحد کے درجہ میں ہو گئے لہٰذا مرد کے اصول وفروع عورت کے اصول وفروع ہو جائیں گے اسی طرح مرد میں بھی لہٰذا جس طرح اپنے حقیقی اصول وفروع سے نکاح درست نہیں اسی طرح ان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصول وفروع سے بھی نکاح درست نہیں جو ولد کے واسطے سے ثابت ہوئی ہیں، کیونکہ استمتاع بالجزء حرام ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ناکح الید ملعون''

(ج): کا جواب (ب) کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

(د): إلاّ فی موضع الضرورۃ سے ایک شبہ کو دفع کرنا ہے کہ جب جزء سے استمتاع حرام ہے تو بیوی سے ایک مرتبہ ولد کے پیدا ہوجانے کے بعد وطی حرام ہوجانی چاہئے؟۔

جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اگر استثناء نہ کیا جائے تو نکاح کا مقصد توالد وتناسل فوت ہوجائے گا۔

والوطي محرم: امام شافعیؒ کے قول فلا تنال بالمحظور کا جواب ہے کہ یہاں پر ولد کی وجہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہورہی ہے اور ولد میں کوئی معصیت وممانعت نہیں ہے لہٰذا جو وطی اس کے حصول کا سبب ہے، اور ثبوتِ حرمتِ مصاہرت میں ولد کے قائم مقام ہے، اس میں بھی کوئی معصیت وممانعت نہیں ہاں معصیت اس وقت ہوتی جب کہ زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی اور یہاں ایسا نہیں ہے کہ بلکہ حقیقۃً اس کا سبب، ولد ہے۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۰۹

وَمَنْ مَسَّتْهُ إمرأةٌ بِشَهْوَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ اُمُّها وابنَتُها وَقالَ الشَّافِعِيُّ لَا تُحَرِّمُ وَعَلٰى هٰذا الْخِلافِ مَسُّهُ امرأَةً بِشَهْوَةٍ وَنَظَرُهُ إلٰى فَرْجِهَا وَنَظَرُهَا إلٰى ذَكَرِهِ عَنْ شَهْوَةٍ، لَهُ أَنَّ الْمَسَّ وَ النظرَ لَيْسا فى معنىَ الدخول ولِهٰذا لا يَتَعَلَّقُ بِهِما فَسادُ الصَّومِ والإِحْرَامِ وَوُجُوبُ الإغْتِسَالِ فَلا يَلْحَقَانِ بِهِ وَلَنَا انَّ الْمَسَّ وَالنظرَ سَبَبٌ دَاعٍ إلٰى الوَطيِ فَيُقَامُ مَقَامَهُ فِيْ مَوضِعِ الْإِحْتِيَاطِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): مسئلہ کی مع اختلاف ائمہ وضاحت کیجئے اور فریقین کے دلائل کی تشریح کیجئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): ترجمہ: اور کسی شخص کو کسی عورت نے شہوت سے چھولیا تو اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائے گی اور امام شافعیؒ نے فرمایا حرام نہیں ہوگی اور اسی اختلاف پر ہے مرد کا عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا اور اس کے فرج کی طرف دیکھنا شہوت سے، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ "مس" اور نظر" دونوں دخول کے حکم میں نہیں ہیں اور اسی لیے ان دونوں سے فسادِ صوم، فسادِ احرام اور وجوبِ غسل متعلق نہیں ہے لہٰذا یہ دونوں اس کے ساتھ (دخول کے ساتھ) لاحق نہیں ہوں گے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مس اور نظر ایسا سبب ہے جو وطی کی طرف بلانے والا ہے لہٰذا ان کو دخول کے قائم مقام کر دیا جائے گا احتیاط کی بناء پر۔

(ب): تشریح: یہ مسئلہ مس حلال کے متعلق ہے یعنی اگر کسی عورت نے مرد کو شہوت کے ساتھ چھولیا بشرطیکہ یہ چھونا حلال طریقہ پر ہو اور بیچ میں کوئی چیز حائل نہ ہو یا اگر ہو تو اتنی باریک ہو کہ بدن کی گرمی ہاتھ تک پہونچ رہی ہو یا اسی طرح اگر مرد نے عورت کو چھولیا ہو یا عورت کے فرج داخل کو شہوت کے ساتھ دیکھ لیا ہو تو ہمارے نزدیک حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی یعنی ایک دوسرے کے اصول وفروع ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے اور امام شافعیؒ نے فرمایا حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

(فتح القدیر: ج:۳/ص:۲۱۳)

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے: کہ مس اور نظر دونوں دخول کے حکم میں نہیں ہیں اور حرمت، دخول سے ثابت ہوتی ہے، فقط، لہٰذا اصول وفروع حرام نہیں ہوں گے اور دخول کے حکم میں نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "مس" اور "نظر" سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اسی طرح احرام بھی فاسد نہیں ہوتا اور غسل بھی واجب نہیں ہوتا، چنانچہ اگر یہ دونوں دخول کے حکم میں ہوتے تو روزہ فاسد ہو جاتا احرام بھی ٹوٹ جاتا اور غسل بھی واجب ہو جاتا کیونکہ دخول سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ سب چیزیں ثابت ہوتی ہیں پس جب مس ونظر سے نہ روزہ فاسد ہوا نہ احرام فاسد ہوا إلٰی آخرہٖ تو معلوم ہوا کہ یہ دخول کے حکم میں نہیں ہے اور حرمت بھی ان سے متعلق نہیں ہوگی کیونکہ حرمت کا تعلق دخول اور ان چیزوں سے ہے جو دخول کے حکم میں ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے: کہ مس اور نظر اگر چہ دخول کے حکم میں نہیں ہیں لیکن احتیاط کی وجہ سے ان دونوں کو دخول کے حکم میں کر دیا ہے لہٰذا جس طرح دخول سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے اسی طرح ان چیزوں سے بھی ثابت ہو جائے گی جو دخول کے حکم میں ہیں۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۱۰

وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمَوْلٰى أَمَتَهٗ وَلَا الْمَرْأَةُ عَبْدَهَا لِأَنَّ النِّكَاحَ مَا شُرِعَ مُثْمِراً بِثَمَرَاتٍ مُشْتَرَكَةٍ بَيْنَ الْمُتَنَاكِحَيْنِ وَالْمَمْلُوْكِيَّةُ تُنَافِي الْمَالِكِيَّةَ فَيَمْتَنِعُ وُقُوْعُ الثَّمَرَةِ عَلَى الشِّرْكَةِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): مسئلہ کی وضاحت دلیل کے ساتھ کیجئے۔

(ج): اور ثمراتِ مشترکہ کو مثال سے واضح کیجئے۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور آقا اپنی باندی سے نکاح نہیں کرے گا اور عورت اپنے غلام سے، اس لیے کہ نکاح مشروع نہیں ہوا ہے، مگر ایسے ثمرات کے ساتھ مثمر ہو کر جو دونوں نکاح کرنے والوں کے درمیان مشترک ہیں اور مملوک ہونا مالکیت کے منافی ہے لہٰذا شرکت کے طریقہ پر ثمرہ کا حصول ممتنع ہوگا۔

(ب): تشریح: یہ ہے کہ آقا اپنی باندی سے اور عورت اپنے غلام سے نکاح نہیں کر سکتی خواہ ملکیت کل ہو یا بعض ہو اور یہی مسئلہ ائمہ اربعہ کا بھی ہے اور اس پر اجماع بھی ہے۔

دلیل یہ ہے کہ نکاح مشروع ہی اس طور پر ہوا ہے کہ اس سے کچھ حقوق شوہر کے بیوی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پر ہوں اور کچھ حقوق بیوی کے شوہر پر ہوں اور وہ دونوں اپنے اپنے حقوق، ایک دوسرے سے حاصل کریں۔ (عین الہدایہ: ج/۳، ص: ۲۲)

اور حقوقِ مشترکہ یہ ہیں مثلاً شوہر کے حقوق بیوی پر یہ ہیں کہ بیوی پر اسے قدرت حاصل ہو اور وہ اسے گھر میں روکے رکھے اور اس سے گھر کا کام کرائے، مثلاً کھانا پکوائے، کپڑا دھلوائے اور اپنے بچوں کی پرورش کروائے وغیرہ اور بیوی کے حقوق یہ ہیں کہ شوہر پر بیوی کا مہر، سکنی اور نفقہ واجب ہے اور بیوی کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرنا ہے وغیرہ۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۴۳)

اور یہ حقوق مشترکہ صرف آزاد مرد وعورت میں ہوں گے مالک ومملوکہ میں نہیں، کیوں کہ نکاح مان لینے کی صورت میں مالکیت ومملوکیت کا اجتماع لازم آئے گا (یعنی ایک شخص دوسرے کا مملوک ہوگا اور یہ شخص دوسرے کا مالک بھی ہوگا)

حالانکہ دونوں کے درمیان منافات ہے کیونکہ مالکیت کا اثر قاہریت ہے اور مملوکیت کا اثر مقہوریت ہے اور ان دونوں میں منافات ظاہر ہے لہٰذا مالکیت اور مملوکیت جمع نہیں ہوں گے اور نکاح درست نہیں ہوگا۔

(حاشیہ ہدایہ ثانی: ص/۲۹۰، بنایہ: ج/۵، ص/۴۳)

(ج): اس کا جواب ''ب'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۱۰

وَيَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَ الْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالَةِ الإِحْرَامِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لاَ يَجُوزُ وَتَزْوِيجُ الْوَلِيِّ الْمُحْرِمِ مَوْلِيَتَهُ عَلَى هٰذَا الْخِلاَفِ لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلامُ لاَ يَنْكِحُ الْمُحرِمُ وَلاَ يُنْكِحُ وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيهِ السَّلامُ تَزَوَّجَ بِمَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَمَارَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْوَطْيِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): عبارت باعراب نقل کر کے ترجمہ کریں۔
(ب): مطلب تحریر کرتے ہوئے امام شافعیؒ اور احناف کی دلیل کی وضاحت کیجئے۔
(ج): امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب واضح لفظوں میں لکھئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: محرم اور محرمہ کے لیے حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے اور ولی محرم کا اپنی مولیۃ کا نکاح کرانا اسی اختلاف پر ہے امام شافعیؒ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "نہ محرم نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے کہ جس میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا حالانکہ آپ محرم تھے اور وہ حدیث جس کو حضرت امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے وطی پر محمول ہے۔

(ب): مسئلہ یہ کہ حالت احرام میں نکاح کرنا یا کرانا درست ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک درست اور جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا مستدل: عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "محرم نہ نکاح کرے اور نہ کرائے" اور ہمارا مستدل ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

(ج): امام شافعیؒ کا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کو اپنا مستدل بنانا درست نہیں کیونکہ وہاں نکاح سے مراد وطی ہے یعنی محرم حالتِ احرام میں نہ وطی کرے اور نہ وطی پر قادر بنائے۔ (فتح القدیر حاشیہ: ص ۲۲۳)

اور نکاح وطی کے معنی میں مستعمل بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "حتی تنکح زوجا غیرہ" اس میں نکاح سے مراد وطی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص:۳۱۱

وَلاَ یَتَزَوَّجُ أَمَةً عَلٰی حُرَّةٍ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلاَمُ لاَ تُنْکَحُ الْأَمَةُ عَلٰی الْحُرَّةِ وَھُوَ بِإِطْلاَقِہٖ حُجَّةٌ عَلَی الشَّافِعِیِّ فِیْ تَجْوِیْزِ ذٰلِکَ لِلْعَبْدِ وَعَلٰی مَالِکٍ فِیْ تَجْوِیْزِہٖ بِرَضَاءِ الْحُرَّةِ وَلأَنَّ لِلرِّقِّ أَثَراً وَتَنْصِیْفَ النِّعْمَةِ عَلٰی مَا نُقَرِّرُہٗ فِی الطَّلاَقِ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ فَیَثْبُتُ بِہٖ حِلُّ الْمَحَلِّیَّةِ فِیْ حَالَةِ الإِنْفِرَادِ دُوْنَ حَالَةِ الإِنْضِمَامِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب بیان کرتے ہوئے اختلاف ائمہ کی وضاحت کیجئے اور احناف کی دلیل نقلی وعقلی کی تشریح کیجئے۔

(ج): فیثبت الخ سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ باندی، بیوی کی موجودگی میں آزادعورت سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(د): تنصیف نعمت، حالتِ انفرادوانضمام کی مرادواضح کیجئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور کوئی آدمی حرہ پر باندی سے نکاح نہیں کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے ”حرۃ پر باندی سے نکاح نہیں کیا جائے گا“ اور یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہے اس کو (باندی سے حرۃ پر نکاح کرنے کو) غلام کے لیے جائز قرار دینے میں، اور امامؒ پر حجت ہے اس کو حرۃ کی رضامندی سے جائز قرار دینے میں اور اس لیے کہ نعمت کی تنصیف میں رقیت کا اثر ہے اس طریقہ پر جس کی وضاحت ہم کتاب الطلاق میں کریں گے ان شاءاللہ چنانچہ محل کا حلال ہونا انفرادی حالت میں ثابت ہوگا نہ کہ انضمامی حالت میں۔

(ب): **تشریح**: مسئلہ یہ ہے کہ حرۃ پر باندی سے نکاح مطلقاً درست نہیں ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

احناف کے نزدیک، لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آزاد کے لیے تو جائز نہیں ہے لیکن غلام کے لیے جائز ہے کیونکہ باندی سے نکاح کی ممانعت "طول حرۃ" (یعنی آزاد عورت پر نکاح) کی قدرت کی وجہ سے ہے اور طول حرۃ کا تصور صرف آزاد مرد میں ہوسکتا ہے غلام میں نہیں، لہٰذا جب غلام میں علت ممانعت ہی نہیں ہے تو حرمت کا حکم بھی اس کے لیے نہیں ہوگا اور اس کے لیے باندی سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۲۳۱)

اور امام مالک علیہ الرحمہ اس حدیث لا تنکح الامة علی الحرة کیوجہ سے مطلقاً تو جائز نہیں کہتے البتہ اگر حرۃ راضی ہو تو درست ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ممانعت اس لیے ہے کہ آزاد عورت غضبناک ہوگی لہٰذا جب وہ رضامند ہے تو علت ممانعت نہیں پائی گئی لہٰذا نکاح درست ہوجائے گا۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۲۲۸)

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا تنکح الامة علی الحرة" اور یہ حدیث مطلق ہے لہٰذا نہ غلام کے لیے جائز ہوگا اور نہ آزاد کے لیے خواہ راضی ہو یا نہ ہو۔ امام مالکؒ کا جواب یہ ہے کہ یہ علت نکالنا درست نہیں ہے کیونکہ باندی پر آزاد سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی یہ علت پائی جاتی ہے حالانکہ وہاں آپ کے نزدیک بھی نکاح درست ہے۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۲۲۴)

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ رقیت کا تنصیف نعمت میں اثر ہوا کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شارع نے اُس سزا کو جو آزاد کے حق میں ہے، باندی کے حق میں نصف کردیا ہے مثلاً غیر محصنہ زانیہ کی حد سو کوڑے ہیں اور باندی کے لیے پچاس کوڑے۔ اور سزا یعنی عقوبت نعمت کے مقابلے میں ہے، لہٰذا اس سے لازم آتا ہے کہ نعمت بھی باندی کے حق میں نصف ہو اور نکاح کا محل ہونا ایک نعمت ہے، لہٰذا یہ بھی باندی کے حق میں نصف ہوگی پس جب تمام احوال میں آزاد سے نکاح درست ہے تو باندی سے بعض احوال میں نکاح درست ہے اور وہ انفرادی حالت ہے، لہٰذا انضمامی حالت میں نکاح درست نہیں ہے۔

(حاشیہ ہدایہ ثانی: ص ۲۹۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور مصنفؒ نے اس کی وضاحت باب طلاق میں کی ہے کہ باندی دو طلاق کی مالک ہوگی اور آزاد تین کی مالک ہوگی اور اس کی علت "تنصیف" ہے۔

(ج): اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رقیت کا تنصیفِ نعمت میں اثر ہے تو باندی کے لیے بعض احوال میں نکاح درست ہوگا اور وہ حالت انفراد ہے کیونکہ باندی کے لیے اس نعمت کا آدھا ہے جو آزاد کے لیے ہے اور آزاد کے لیے دونوں حالتوں یعنی انفراد و انضمام دونوں میں اس سے نکاح درست ہے لہٰذا اس کا آدھا باندی کے لیے ہوگا اور انفرادی حالت میں باندی سے نکاح جائز ہوگا اور انفرادی حالت میں ہی جائز قرار دیا ہے کیونکہ اگر انضمامی حالت میں درست قرار دیں تو یہ شریفہ عورت کی توہین ہوگی اس لیے انفرادی حالت میں جائز قرار دیا ہے۔ (حاشیہ ہدایہ فتح القدیر)

(د): تنصیف نعمت سے مراد محل نکاح کا حلال ہونا۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۵۲)

انفراد سے مراد: یہ ہے کہ مرد کے تحت حرۃ عورت نہ ہو "انضمام کا مطلب یہ ہے کہ حرہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرے یا دونوں سے ایک ساتھ نکاح کرے یہ دونوں درست نہیں ہے۔ (حاشیہ ہدایہ: ص/۳۱۱)

ہدایہ ثانی: ص: ۳۱۱

وَ لِلْحُرِّ اَنْ یَتَزَوَّجَ اَرْبَعاً مِنَ الحَرائِرِ والإمَاءِ وَلَیس لَهُ أنْ یَتزَوَّجَ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ لِقَوْلِهٖ تعَالٰی فَانْکِحُوا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَّ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبَاعَ وَالتَّنْصِیصُ عَلَی العَدَدِ یَمْنَعُ الزِّیَادَۃَ عَلَیْهِ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَا یَتزَوَّجُ إلَّا أمَۃً لانَّهٗ ضَرُورِیٌّ عِنْدَهٗ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): مسئلہ مذکورہ کی وضاحت کرتے ہوئے عبارت میں ذکر کردہ اختلاف اور ہر فریق کے دلائل کی تشریح کیجیے نیز نکاح امۃ کے ضروری ہونے کا مطلب بھی لکھیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج): نیز التنصیص علی العدد یمنع الزیادۃ بظاہر یہ استدلال جو فاسدہ میں داخل ہے جبکہ وجوہِ فاسدہ میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں ہے، وضاحت کے ساتھ لکھیے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور آزاد مرد کے لیے آزاد عورت اور باندی (کے مجموعے) میں سے چار سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے لیے اس سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے تم اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرلو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے اور عدد کی صراحت اس پر زیادتی سے مانع ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مرد صرف ایک باندی سے نکاح کرے گا اس لیے کہ باندی سے نکاح کرنا ضرورتاً ثابت ہے امام شافعیؒ کے نزدیک۔

(ب): **تشریح**: اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آزاد مرد کو کتنی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے؟

فرمایا کہ آزاد کو مطلق چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ چاروں آزاد ہوں یا باندی ہوں نیز دونوں کو جمع کرنا بھی درست ہے البتہ باندی کو نکاح میں مقدم رکھا جائے گا، کیونکہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کے بعد باندی سے نکاح کرنا درست نہیں ہوتا۔

دلیل: یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ تم اپنی من پسند عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو، دو دو سے بھی اجازت ہے تین تین سے بھی اگر نکاح کرنا چاہو اسی طرح چار سے بھی اجازت ہے اور یہ آیت عدد کی حلت کے بیان کے لیے لائی گئی ہے نفسِ حلتِ نکاح کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہے کیونکہ نفسِ حلت پہلے ہی سے معلوم ہے اور ایک عورت سے نکاح کرنا یہ بھی پہلے سے معلوم ہے البتہ دو سے یا تین سے یا چار سے کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے لیے آیت لائی گئی لہٰذا یہ اپنے عدد پر ہی محصور ہوگی اور چار سے زائد سے نکاح درست نہیں ہوگا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور امت کا اس بات پر اجماع بھی ہے کہ چار سے زائد سے نکاح درست نہیں ہے، لیکن روافض نے نو سے اور خوارج نے اٹھارہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے جو کہ باطل ہے۔ (فتح القدیر: ج/۳، ص/۲۲۹) یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔

اور امام شافعیؒ: کا اِس بات پر تو اتفاق ہے کہ چار آزاد عورتوں سے نکاح کیا جاسکتا ہے لیکن چار باندی سے نکاح درست ہے یا نہیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باندی سے نکاح اس وقت درست ہے جبکہ آزاد مرد، آزاد عورت پر قادر نہ ہوا اور گناہ میں ملوث ہوجانے کا خوف ہو تو گویا کہ ضرورت کی بناء پر باندی سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور ضرورت زنا میں ملوث ہونے کا خوف ہے اور ضرورت ایک باندی سے پوری ہوجاتی ہے لہٰذا ایک سے زائد سے نکاح درست نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک چار باندیوں سے نکاح درست ہے اس لیے کہ اللہ کا قول: ''فانکحوا ما طاب لکم من النساء'' میں نساء عام ہے آزاد اور باندی دونوں کو شامل ہے لہٰذا دونوں میں سے چار سے نکاح درست ہے۔

نکاح الامۃ ضروری کا مطلب: یہ ہے کہ باندی سے نکاح کو ضرورت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ شئی جو ضرورت کی بناء پر جائز ہو وہ ضرورت پر ہی منحصر ہوتی ہے اور ضرورت ایک باندی سے پوری ہورہی ہے، لہٰذا ایک سے زائد نکاح درست نہیں ہے جیسے میتۃ یعنی مردار کھانا حرام ہے لیکن ضرورت کی بناء پر جائز ہے لیکن یہ صرف ضرورت کے بقدر ہے اسی طرح باندی سے نکاح کرنا بھی ضرورت کی بناء پر ہے۔

(ج): التنصیص علی العدد: وجوہِ فاسدہ کا اعتراض اس وقت ہوسکتا ہے تھا جب کہ اس آیت کو نفسِ حلتِ نکاح کے بیان کے لیے لایا گیا ہوتا اور یہ آیت تو محل نکاح یعنی عورت کی تعداد بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے، اسی لیے ایک عورت سے نکاح کے سلسلے میں یہاں ذکر نہیں ہے، کیونکہ وہ تو پہلے سے معلوم ہے اور نکاح کا وجود ہی اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ کسی سے نکاح کیا جائے، اور جہاں کہیں بھی ایسا ہو وہاں حکم، عدد پر منحصر ہوتا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے لہٰذا نکاح چار پر منصر ہے اور انحصار کا تقاضہ ہے کہ اس کے بعد جائز نہ ہو لہٰذا چار سے زائد سے نکاح درست نہیں ہے جیسے اللہ کا قول "والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" یہ آیت بھی قروء کی عدد کو بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے، لہٰذا عدت صرف تین قروء ہوگی مابقیہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

ہدایہ ثانی: ص:۳۱۲

وَإِذَا جَازَ النِّكَاحُ فَلِلزَّوْجِ اَنْ يَطَأَهَا قَبْلَ الْإِسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَأَبِي يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا أُحِبُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا قَبْلَ اَنْ يَسْتَبْرِأَهَا لِأَنَّهُ إِحْتَمَلَ الشُّغْلَ بِمَاءِ الْمَوْلٰى فَوَجَبَ التَّنَزُّهُ كَمَا فِي الشِّرَاءِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): مطلب لکھئے۔

(ج): استبراء کے سلسلے میں نکاح اور شراء میں فرق کیوں رکھا گیا اس کی وضاحت کیجیے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب نکاح جائز ہے تو شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا درست ہے استبراء سے پہلے، شیخینؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ میں اس کے لیے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اس سے استبراء سے پہلے وطی کرے اس لیے کہ مولیٰ کے پانی میں مشغول ہونے کا احتمال ہے لہٰذا بچنا واجب ہے جیسے کہ خریدنے میں۔

(ب): **تشریح**: ماقبل میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ کسی آقا نے اپنی باندی سے وطی کرنے کے بعد اس کا نکاح کرا دیا تو نکاح درست ہے اب یہ فرماتے ہیں کہ جب نکاح درست ہے تو شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا بھی درست ہے استبراء کی کوئی ضرورت نہیں ہیں یہ مسئلہ شیخینؒ کے نزدیک ہے لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ استبراء سے پہلے میں اس کی وطی کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: یہ ہے کہ باندی کے رحم کا مولی کے پانی میں مشغول ہونے کا احتمال ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے جس طرح اگر کسی نے باندی خریدی تو مشتری کے لیے استبراء واجب ہے، پس یہاں وجوب استبراء کی جو علت ہے یعنی "احتمال شغل بماء المولیٰ" وہ نکاح کی صورت میں بھی پائی جارہی ہے لہٰذا استبراء ضروری ہوگا۔

شیخینؒ فرماتے ہیں کہ جب مولیٰ نے نکاح کردیا تو معلوم ہوگیا کہ وہ حاملہ نہیں ہے کیونکہ حاملہ کی صورت میں تو نکاح ہی درست نہیں ہے، اور اس کو شراء پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ شراء تو حاملہ ہوتے ہوئے بھی درست ہے اس لیے وہاں استبراء ضروری ہے برخلاف نکاح کے کہ نکاح حاملہ ہونے کی حالت میں درست نہیں ہے۔

(ج): اور اس باب میں یعنی نکاح کی صورت میں استبراء نہ ہونے اور خریدنے کی صورت میں استبراء ضروری قرار دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ خرید وفروخت تو حاملہ ہونے کی حالت میں بھی درست ہے اس لیے وہاں شغل رحم کا احتمال ہے لہٰذا وہاں استبراء ضروری ہوگا لیکن نکاح تو حاملہ ہونے کی حالت میں درست ہی نہیں ہے پس جب نکاح درست ہوگیا تو معلوم ہوگیا کہ وہ حاملہ نہیں ہے لہٰذا استبراء کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

ہدایہ ثانی: ص: ۳۱۲

نِكَاحُ الْمُتْعَةِ بَاطِلٌ وَقَالَ مَالِكٌ هُوَ جَائِزٌ لِأَنَّهُ كَانَ مُبَاحاً فَيَبْقَى إِلَى أَنْ يَظْهَرَ "نَاسِخَهُ" قُلْنَا ثَبَتَ النَّسْخُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَابْنُ عَبَّاسٍ صَحَّ رُجُوعُهُ إِلَى قَوْلِهِمْ فَتَقَرَّرَ الْإِجْمَاعُ وَالنكاحُ الْمُوَقَّتُ بَاطِلٌ وَقَالَ زُفَرُ هُوَ صَحِيحٌ لَازِمٌ لِأَنَّ النِكَاحَ لَا يَبْطُلُ بِالشُرُوطِ الْفَاسِدَةِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): متعہ کی صورت، متعہ اور نکاح موقت کا فرق بیان کرکے عبارت کا مطلب وضاحت کے ساتھ لکھیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج): نکاح موقت کے باطل ہونے کی دلیل حسب بیان صاحب ہدایہ تحریر کرتے ہوئے بتایئے کہ ابن عباسؓ کے اخلاف کے ہوتے ہوئے متعہ کی حرمت کو مجمع علیہ قرار دینا کیسے صحیح ہے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: نکاح متعہ باطل ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ جائز ہے اس لیے کہ وہ مباح ہوا تھا پس وہ حلت پر باقی رہے گا تا آنکہ اس کا ناسخ ظاہر ہو جائے ہم نے کہا کہ نسخ، اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور ابن عباسؓ کا صحابہؓ کے قول کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے، لہٰذا اجماع متحقق ہو گیا اور نکاح موقت باطل ہے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ وہ درست ہے لازم ہے، اس لیے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔

(ب): متعہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کہے أتمتَّعُ بِكِ كذا مُدةً بكذا مِنَ المالِ یعنی میں تجھ سے اتنے مال کے عوض اتنی مدت تک فائدہ اٹھاؤں گا اور متعہ و نکاح مؤقت میں لفظ کا فرق ہے کہ متعہ میں لفظ اتمتع ہے اور مؤقت میں الفاظِ نکاح استعمال ہوتا ہے اور معنی کے اعتبار سے ایک فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ میں مال کی شرط ہے اور مؤقت میں مال کی شرط نہیں ہے۔ (کنز الدقائق: ۹۹ حاشیہ ۱۲)

اب مسئلہ یہ ہے کہ نکاحِ متعہ باطل ہے تمام ائمہ کے نزدیک، کیونکہ اس کا منسوخ ہونا صحابہ کے اجماع سے ثابت ہو گیا یہ واضح رہے کہ اجماع ناسخ نہیں ہے بلکہ نسخ کی خبر دیتا ہے اور یہاں پر یہی مراد ہے، اور امام مالکؒ کی طرف اس کے جواز کی نسبت ہرگز درست نہیں کیونکہ ان کی کتب فقہیہ میں صراحتاً اس کی حرمت مذکور ہے اور دوسری بات یہ کہ امام مالکؒ اپنی مؤطا میں وہی حدیث نقل کرتے ہیں جو ان کے مسلک کے مطابق ہو اور انہوں نے حرمتِ متعہ کی حدیث اس میں ذکر کی ہے، پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی متعہ حرام ہے، البتہ روافض اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قول ابن عباسؓ: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض ہے کہ ابن عباسؓ (جو کہ مجتہد ہیں) نے تو جواز کا فتویٰ دیا ہے پس اجماع کا دعویٰ درست نہ رہا کیونکہ اجماع تمام لوگوں کے اتفاق سے ہوتا ہے اور وہ پایا نہیں گیا فما الجواب؟

جواب یہ کہ ابن عباسؓ کا اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے جب حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے خیبر کے دن سے متعہ کو حرام کر دیا ہے تو ابن عباس نے رجوع کر لیا اور فرمایا اللّٰھُمَّ انی اتوب الیک من قولی فی المتعة والصرف پس اجماع متحقق ہو گیا۔ (حاشیہ ہدایہ)

(ج): اور نکاح مؤقت بھی ہمارے نزدیک باطل ہے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ درست ہے کیونکہ نکاح مؤقت میں اس نے وقت کی قید لگائی ہے اور یہ شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوا کرتا، پس نکاح درست ہو گا اور شرط باطل ہو جائے گی۔

ہماری دلیل: یہ ہے مؤقت کے اندر بھی متعہ کے معنی پائے جا رہے ہیں اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے لہٰذا جس طرح متعہ باطل ہے اسی طرح مؤقت بھی باطل ہو گا فرق صرف الفاظ میں ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (ہدایہ ثانی: ص/۳۱۲)

ابن عباسؓ کے اختلاف کے ہوتے ہوئے متعہ کی حرمت کو مجمع علیہ قرار دینا صحیح ہے اس کا جواب (ب) کے تحت گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

ہدایہ ثانی: ص:۳۱۳

وَ مَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَتَيْنِ فِيْ عَقْدَةٍ وَاحِدَةٍ وَإِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِيْ يَحِلُّ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْاُخْرٰى لِأَنَّ الْمُبْطِلَ فِيْ إِحْدَاهُمَا بِخِلَافِ مَا إِذَا جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ فِي الْبَيْعِ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ وَقُبُوْلُ الْعَقْدِ فِي الْحُرِّ شَرْطٌ فِيْهِ ثُمَّ جَمِيْعُ الْمُسَمّٰى لِلَّتِيْ حَلَّ نِكَاحُهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): صورتِ مسئلہ لکھ کر اس کو مدلل کریں۔

(ج): ”بخلاف ما إذا جمع بین حر وعبد فی البیع الخ“ کی وضاحت اور ”قبول العقد فی الحر شرط فیه“ کا مطلب بوضاحت تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: جس شخص نے ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا اور ان دونوں میں سے ایک کا نکاح اس سے حلال نہیں ہے تو وہ عورت جس کا نکاح حلال ہے (باقی پچھلے صفحے پر)۔

(ب): **تشریح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا۔ ان دو عورتوں میں سے ایک عورت اس کے لیے حلال ہے اور ایک حرام ہے۔ چاہے یہ قرابتِ نسب کے وجہ سے حرام ہو یا رضاعت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے حرام ہو، تو حکم ہے کہ جو عورت اس کے لیے حلال ہے اس سے نکاح صحیح ہو جائے گا اور جو عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے اس سے نکاح باطل ہو جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ باطل کرنے والی حرمت تو دونوں میں سے ایک میں ہے پس جس میں مبطلِ نکاح موجود ہے۔ اسی کا نکاح باطل ہوگا نہ کہ دوسری کا، کیونکہ نکاح شرط باطل کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جبکہ غلام اور آزاد کو ایک عقد میں جمع کیا۔

(ج): بخلاف ما إذا جمع بین حر وعبد فی البیع الخ

یعنی دونوں کو ملا کر بیچا تو ان دونوں میں بیع باطل ہوگی۔ آزاد میں تو باطل ہے۔ غلام کے اندر بھی بیع باطل ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ بیع شرط فاسد کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے اور نکاح شرطِ فاسد کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے۔

قبول العقد فی الحر شرط الخ سے مصنفؒ نکاح اور بیع کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جب آزاد اور غلام دونوں کو ایک عقد میں جمع کیا تو مشتری

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دونوں میں بیع کو قبول کرے یا دونوں میں چھوڑ دے اس لیے کہ مشتری کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کچھ میں قبول کرے اور کچھ میں قبول نہ کرے کیونکہ اس صورت میں تفریق صفقہ ہے۔ اور تفریقِ صفقہ حرام ہے۔ پس جب دونوں میں قبول کرے گا تو غلام میں عقد قبول کرنے کے لیے آزاد میں عقد کا قبول کرنا شرط ہوگا اور چونکہ آزاد محلِ بیع نہیں ہے اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ غیر مبیع میں عقد قبول کرنا بیع کے لیے شرط ہے اور یہ شرط فاسد ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ شرطِ فاسد کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع وشرط سے منع فرمایا ہے، لہٰذا یہاں بیع فاسد ہوگی آزاد میں بھی اور غلام میں بھی۔

برخلاف نکاح کے کہ اس میں بھی یہی صورت ہے کہ محللہ میں عقدِ نکاح قبول کرنے کے لیے محرمہ میں قبولیت کی شرط لگادی اور یہ شرط فاسد ہے لیکن نکاح شروطِ فاسدہ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ شرط فاسد خود باطل ہو جاتی ہے اس لیے محللہ کا نکاح درست ہوگا اور محرمہ کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس عقد میں جو مہر متعین کیا گیا ہے وہ تمام کا تمام اس عورت کے لیے ہوگا جس کا نکاح حلال ہے، صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائے گا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۴

وَمَنْ ادَّعَتْ عَلَيْهِ اِمْرَأَةٌ أَنَّه تَزَوَّجَهَا وأَقَامَتْ بَيِّنَةً فَجَعَلَهَا الْقَاضِي امْرَأَتَهُ لَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا وَسِعَهَا الْمُقَامُ مَعَهُ وَأَنْ تَدَعَهُ يُجَامِعُهَا وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلاً وَفِي قَوْلِهِ الْآخِرِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ لَا يَسَعُهُ انْ يَطَأَهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْقَاضِيَ أَخْطَأَ الْحُجَّةَ إِذَا الشُّهُوْدُ كَذَبَةٌ فَصَارَ كَمَا إِذَا ظَهَرَ أَنَّهُمْ عَبِيْدٌ أَو كُفَّارٌ.

(الف): ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): مسئلہ کی مع اختلاف ائمہ وضاحت کیجئے نیز دلیل مذکورہ کی تشریح کرتے ہوئے امام اعظمؒ کی دلیل بھی لکھئے۔

(ج): صاحبین کی دلیل کا جواب بھی قلمبند کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: کسی آدمی پر کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ اس مرد نے اس سے نکاح کیا ہے اور بینہ قائم کردیا پھر قاضی نے اس عورت کو اس کی بیوی قرار دے دیا حالانکہ اس مرد نے اس سے نکاح نہیں کیا ہے تو عورت کو مرد کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے اور اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ وہ عورت اسے چھوڑ دے کہ مرد اس سے جماع کرے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور یہی امام ابویوسفؒ کا پہلا قول ہے اور ابویوسفؒ کے دوسرے قول میں اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے کہ مرد کو عورت کے ساتھ وطی کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اس لیے کہ قاضی نے حجت میں غلطی کی ہے کیوں کہ گواہ جھوٹے ہیں تو یہ ایسے ہوگیا جیسے کہ جب یہ بات ظاہر ہوجائے کہ گواہ غلام یا کافر ہیں۔

(ب): تشریح: اوّلاً یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب عورت نہ منکوحہ ہو اور نہ معتدہ ہو۔ (کنزالدقائق: ص/۱۰۰، فتح القدیر: ج/۳، ص/۲۴۳)

مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے قاضی کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کا شوہر نہیں ہے، چنانچہ قاضی نے گواہ طلب کئے تو عورت نے گواہ بھی پیش کردیئے تو قاضی نے گواہوں کی بناء پر یہ فیصلہ کردیا کہ فلاں اس کا شوہر ہے اور عورت اس کی بیوی ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اور ابویوسفؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوگا ظاہراً کا مطلب یہ ہے کہ شوہر پر سُکنیٰ نفقہ کسوہ وغیرہ لازم ہوگا اور باطناً کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے لیے بیوی سے استمتاع حلال ہوگا۔ عنداللہ (فتح القدیر: ج/۳، ص/۲۴۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور ابو یوسفؒ کا دوسرا قول اور یہی امام محمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالک رحمہم اللہ کا بھی ہے کہ باطناً نافذ نہ ہوگا یعنی استمتاع حلال نہیں ہوگا۔ (عین الہدایہ: ج ۲/ص ۳۲)

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قاضی سے گواہوں کی وجہ سے فیصلہ میں غلطی ہوگئی ہے کیونکہ گواہ جھوٹے ہیں اور فیصلہ میں غلطی ہو جانا باطناً نفاذ سے مانع ہے جیسے کہ جب عورت نے ثبوتِ نکاح میں گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے ظاہر حال کو دیکھتے ہوئے فیصلہ بھی کر دیا پھر بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غلام تھے یا کافر تھے تو جس طرح اس صورت میں فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی فیصلہ باطناً نافذ نہ ہوگا۔ (فتح القدیر: ص ۲۴۳)

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ گواہ، قاضی کی تحقیق کے اعتبار سے سچے ہیں اور اس نے ان میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جو گواہوں کے مجروح ہونے کا سبب ہو اور ایسے گواہ شریعت میں معتبر ہیں لہٰذا ان گواہوں کی بنیاد پر قاضی کا فیصلہ درست اور نافذ ہوگا کیونکہ حقیقت حال یعنی وہ حقیقۃً سچے ہیں یا جھوٹے ہیں اس پر قاضی قادر نہیں ہے کیونکہ یہ امرِ باطن ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لہٰذا وہ اس کا مکلّف بھی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قاضی گواہوں کے ظاہر حال کے اعتبار سے فیصلہ کا مکلف ہے اور گواہ ظاہراً سچے ہیں پس قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا۔ (فتح القدیر حاشیہ: ج ۳/ص ۲۴۳)

(ج): صاحبین کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ان کو کفار اور غلاموں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ کفار اور غلاموں کا پتہ ان کی علامات سے چل جاتا ہے برخلاف گواہوں کا جھوٹا ہونا کہ یہ ایک امر باطن ہے جس کا علم نہیں ہوسکتا، پس یہ قیاس درست نہیں رہا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۴

وَلاَ يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ إِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ عَلَى النِّكَاحِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لَهُ الْاِعْتِبَارُ بِالصَّغِيرَةِ وَهٰذَا لِأَنَّهَا جَاهِلَةٌ بِأَمْرِ النِّكَاحِ لِعَدَمِ التَّجْرِبَةِ وَلِهٰذَا يَقْبِضُ الْأَبُ صَدَاقَهَا بِغَيْرِ أَمْرِهَا وَلَنَا أَنَّهَا حُرَّةٌ فَلَا يَكُونُ لِلْغَيْرِ عَلَيْهَا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وِلَايَةُ الْإِجْبَارِ وَالْوِلَايَةُ عَلَى الصَّغِيرَةِ لِقُصُورِ عَقْلِهَا وَقَدْ كَمُلَ بِالْبُلُوغِ بِدَلِيلِ تَوَجُّهِ الْخِطَابِ فَصَارَ كَالْغُلَامِ وَكَالتَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب تحریر کریں اور امام شافعیؒ کی دلیل "ولہ الاعتبار" میں مقیس، مقیس علیہ اور علت حکم کی تعیین کریں۔

(ج): "فصار کالغلام و کالتصرف فی المال" کی مکمل وضاحت کریں۔

(د): ولھٰذا یقبض الاب صداقھا الخ کے جواب میں احناف کیا کہیں گے؟ واضح کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا ولی کے لیے جائز نہیں ہے بر خلاف امام شافعیؒ کے۔ ان کی دلیل صغیرہ پر قیاس کرنا ہے اور یہ اس لیے کہ وہ نکاح کے معاملے سے ناواقف ہے تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے اور اسی لیے باپ اس کے مہر پر قبضہ کر لے گا اس کے حکم کے بغیر، ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ آزاد ہے لہٰذا اس پر کسی دوسرے کو ولایتِ اجبار نہیں ہوگی اور صغیرہ پر ولایت، اس کے عقل کے ناقص ہونے کی وجہ سے ہے اور عقل بلوغ سے مکمل ہوگئی اللہ کے خطاب کے متوجہ ہونے کی دلیل سے اور یہ ایسا ہوگیا جیسے (بالغ) لڑکا اور تصرف فی المال۔

(ب): **تشریح**: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک باکرہ بالغہ پر کسی کو ولایتِ اجبار نہیں ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار ہے چنانچہ ہمارے نزدیک باکرہ بالغہ کو ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا بر خلاف امام شافعیؒ کے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: وہ باکرہ بالغہ کو باکرہ صغیرہ پر قیاس کرتے ہیں کہ جب باکرہ صغیرہ پر ولایتِ اجبار ولی کو حاصل ہے تو باکرہ بالغہ پر بھی حاصل ہوگی اس لیے کہ صغیرہ باکرہ پر ولایت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے حاصل ہونے کی جو علت ہے وہ باکرہ بالغہ میں بھی پائی جا رہی ہے اور وہ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کے معاملات سے ناواقف ہونا ہے۔ اسی لیے یعنی اس کے نکاح کے معاملات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باپ کے لیے اس کے مہر پر اس کے حکم کے بغیر قبضہ کرنا درست ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ آزاد ہے اور آزاد پر کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی۔

قولہ: ولایۃ الصغیرۃ: یہ امام شافعیؒ کے صغیرہ پر قیاس کرنے کا جواب ہے کہ آپ کا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ صغیرہ پر ولایت، عقل کے ناقص ہونے کی وجہ سے ہے اور بالغہ میں یہ علت نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ اس کی عقل بلوغ کی وجہ سے کامل ہو چکی ہے، لہٰذا اس پر کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۲۵۱)

رہی اس بات کی دلیل کہ بلوغ سے عقل کامل ہو جاتی ہے یہ ہے کہ بالغ ہونے پر اللہ کا (نماز روزہ اور دیگر احکام شرعیہ کا) خطاب اس کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو یہ ایسے ہوگئی جیسے بالغ لڑکا، کہ بلوغ کے بعد اس پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی اسی طرح باکرہ بالغہ پر بھی کسی کو ولایت حاصل نہیں ہوگی اور جس طرح یہ بالغہ بلوغ کے بعد اپنے مال میں تصرف کرنے میں مختار ہوتی ہے اسی طرح نکاح کے سلسلے میں بھی مختار ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل میں مقیس، مقیس علیہ اور علت کی تعیین: مقیس باکرہ بالغہ ہے مقیس علیہ صغیرہ باکرہ ہے اور علت نکاح کے معاملات سے ناواقف ہونا ہے۔

(ج): فصار کا لغلام الخ: اس کی توضیح تشریح کی ذیل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(د): یقبض الاب صداقھا کا جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کا مہر پر قبضہ کرنا عورت کی رضامندی سے ہے چونکہ لڑکیاں عموماً مہر کا مطالبہ کرنے سے شرماتی ہیں اسی لیے باپ مہر لے لیتا ہے اور ان کا اس پر خاموش رہنا رضامندی کی دلیل ہے اسی لیے اگر اس نے صراحتاً باپ کو مہر لینے سے منع کر دیا تو باپ کو مہر پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(فتح القدیر: ج ۳، ص ۲۵۴)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۵

وَتُعْتَبَرُ فِي الْإِسْتِيمَارِ تَسْمِيَةُ الزَّوْجِ عَلٰى وَجْهٍ تَقَعُ بِهِ الْمَعْرِفَةُ لِتَظْهَرَ رَغْبَتُهَا فِيهِ مِنْ رَغْبَتِهَا عَنْهُ وَلَا تُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَلَوْ زَوَّجَهَا فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ وَجْهَ الدَّلَالَةِ فِي السُّكُوتِ لَا يَخْتَلِفُ ثُمَّ الْمُخْبِرُ إِنْ كَانَ فُضُولِياً يُشْتَرَطُ فِيهِ الْعَدَدُ أَوِ الْعَدَالَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ خِلَافًا لَهُمَا وَلَوْ كَانَ رَسُولًا لَا يُشْتَرَطُ إِجْمَاعًا.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): علٰی ما ذکرنا کی مراد متعین کر کے عبارت کا مطلب لکھیے۔

(ج): مخبر کے فضولی ہونے کی صورت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف مع دلیل لکھیے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اجازت لینے میں شوہر کا اس طرح نام لینے کا اعتبار کیا جائے گا جس سے (اس کی) شناخت ہو جائے تاکہ باکرہ بالغہ کی اس میں رغبت، اس کی بے رغبتی سے ظاہر ہو جائے اور مہر بیان کرنے کی شرط نہیں لگائی گئی ہے اور یہی درست ہے اور اگر ولی نے باکرہ بالغہ کا نکاح کر دیا پھر اس کو خبر پہونچی وہ خاموش رہی تو یہ حکم اسی تفصیل پر ہے جو ہم نے بیان کیا کیونکہ سکوت میں دلالت کی وجہ مختلف نہیں ہے پھر خبر دینے والا اگر فضولی ہے تو اس میں عدد یا عدالت شرط ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ برخلاف صاحبین کے، اور اگر مخبر قاصد ہے تو بالاتفاق (عدد یا عدالت) شرط نہیں ہے۔

(ب): علٰی ما ذکرنا سے مراد: یہ ہے کہ اگر مخبر ولی اقرب یا اس کا قاصد ہے تو سکوت رضامندی کی دلیل ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تشریح: وتعتبر الخ: اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ باکرہ بالغہ سے اجازت لیتے وقت شوہر کا اس طور پر ذکر ضروری ہے کہ جس سے شوہر کی تعیین ہو جائے تا کہ اس کی رغبت یا عدم رغبت ظاہر ہو جائے۔ مثلاً نام لے لیا کہ میں تمہارا نکاح فلاں ابن فلاں سے کرنا چاہتا ہوں۔ (عین الہدایہ: ج ۲، ص ۳۷)

اور اجازت لیتے وقت مہر کا ذکر ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ نکاح بغیر مہر کے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض متاخرین کے نزدیک اجازت لیتے وقت مہر کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ مہر کے کم یا زیادہ ہونے سے اس کی رغبت بدلتی رہتی ہے ہو سکتا ہے کہ کم مہر میں راضی نہ ہو اسی قول کو هو الصحیح کہہ کر رد کیا ہے۔ (بنایہ: ج ۵، ص ۸۵)

ولو زوجها سے ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ بالغہ باکرہ کا نکاح کر دیا گیا پھر باکرہ کو اپنے نکاح کی خبر پہونچی تو وہ خاموش رہی اب اگر خبر دینے والا ولی ہے یا ولی قاصد ہے تو سکوت کو رضامندی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ سکوت جس طرح نکاح سے پہلے رضامندی پر دلالت کرتا ہے اسی طرح نکاح کے بعد بھی دلالت کرے گا علی ما ذکرنا سے مراد یہی ہے کہ اگر مخبر ولی اقرب یا اس کا قاصد ہے تو سکوت رضامندی کی دلیل ہوگی۔

(ج): مخبر کے فضولی ہونے کی صورت میں اختلاف: اگر مخبر فضولی ہے یعنی نہ ولی ہے اور نہ اس کا قاصد ہے تو امام صاحب کے نزدیک مخبر میں عدالت یا عدد یعنی دو فرد کا ہونا ضروری ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ معاملات تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) الزام جیسے بیع اس کے اندر گواہوں میں مکمل شرط پایا جانا ضروری ہے۔

(۲) بالکل بھی الزام نہ ہو جیسے وکالت اس میں کچھ بھی شرط نہیں ہے۔

(۳) جس میں من وجہ الزام ہو اور من وجہ الزام نہ ہو جیسے نکاح لہٰذا گواہوں کے دونوں شرطوں میں سے ایک شرط ضروری ہے خواہ عدالت ہو یا عدد اگر دونوں ہوں تو نور علی نور۔

(فتح القدیر: ج ۲، ص: ۲۵۹)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صاحبینؒ کے نزدیک مخبر کے فضولی ہونے کی صورت میں عدد یا عدالت کچھ بھی شرط نہیں ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ نکاح کی خبر دینا معاملات کی دوسری قسم میں سے ہے جو اوپر مذکو ہوئی بس اس میں اتنا کافی ہے کہ مخبر ممیّز ہو خواہ عادل ہو یا نہ ہو اسی طرح عدد بھی ضروری نہیں ہے۔ (فتح القدیر: ج۳،ص۲۵۹)

لیکن اگر مخبر، ولی کا قاصد ہے تو بالاتفاق عدد عدالت کچھ بھی شرط ضروری نہیں ہے ولی پر قیاس کرتے ہوئے کیونکہ ولی میں عدد یا عدالت کی شرط نہیں ہے، لہٰذا اس کے قاصد میں بھی عدد یا عدالت کی شرط نہیں ہوگی۔ (بنایہ: ج۵،ص۸۵)

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۷

إِذَا بَلَغَتِ الصَّغِيرَةُ وَقَدْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ فَسَكَتَتْ فَهُوَ رِضًا وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ فَلَهَا الْخِيَارُ حَتّٰى تَعْلَمَ فَتَسْكُتُ شَرَطَ الْعِلْمَ بِأَصْلِ النِّكَاحِ لِأَنَّهَا لَا تَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ إِلَّا بِهِ وَالْوَلِيُّ يَتَفَرَّدُ بِهِ فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ وَلَمْ يُشْتَرَطِ الْعِلْمُ بِالْخِيَارِ لِأَنَّهَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَةِ أَحْكَامِ الشَّرْعِ، وَالدَّارُ دَارُ الْعِلْمِ فَلَمْ تُعْذَرْ بِالْجَهْلِ بِخِلَافِ الْمُعْتَقَةِ لِأَنَّ الْأَمَةَ لَا تَتَفَرَّغُ بِمَعْرِفَتِهَا. فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ بِثُبُوتِ الْخِيَارِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): عبارت میں ذکر شدہ مسائل کی مع دلائل وضاحت کیجئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: جب صغیرہ بالغہ ہوگئی اور حال یہ کہ وہ نکاح سے واقف ہے پس خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی اور اگر اصل نکاح سے واقف نہیں تو اس کو اختیار ہوگا یہاں تک کہ جان لے پھر خاموش ہوجائے، امام محمدؒ نے اصل نکاح کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جاننے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ وہ اس کے بغیر تصرف پر قادر نہیں ہوگی مگر علم بالنکاح سے، اور ولی تنہا نکاح کر سکتا ہے پس صغیرہ جہالت کی وجہ سے معذور ہوگی اور خیار کے جاننے کی شرط نہیں لگائی کیونکہ یہ عورت احکام شرعیہ کو جاننے کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر سکتی ہے اور دارالاسلام دارالعلم ہے لہٰذا جہالت کی وجہ سے معذور نہیں ہوگی۔ برخلاف اس باندی کے جو آزاد کی گئی ہے۔ اس لیے کہ باندی احکام شرعیہ کو جاننے کے واسطے، فارغ نہیں ہوسکتی تو وہ خیار کے ثبوت کے نہ جاننے کی وجہ سے معذور ہوگی۔

(ب): ذکر کردہ مسائل کی مع دلائل وضاحت: ماقبل میں مسئلہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر صغیر اور صغیرہ کا نکاح، باپ اور دادا کے علاوہ نے کیا تو بالغ ہونے کے بعد صغیرین میں سے ہر ایک کو خیار بلوغ کے تحت نکاح کو باقی رکھنے اور نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یہ حکم طرفین یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔ صورت یہ ہے کہ صغیرہ کو پہلے سے یہ معلوم ہے کہ فلاں کے ساتھ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ اب بالغ ہونے کے بعد اس صغیرہ نے خاموشی اختیار کی تو یہ خاموشی اس کی طرف سے رضامندی ہوگی۔ اور اگر پہلے سے اصل نکاح کا علم نہیں تھا اسی دوران بالغ ہوگئی تو اس کو اس وقت تک اختیار رہے گا جب تک کہ اصل نکاح کا علم نہ ہو اور علم ہونے کے بعد اگر سکوت اختیار کیا تو رضامندی شمار ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ طرفین کے نزدیک اصل نکاح سے واقف ہونا شرط ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ولی صغیرہ سے مشورہ کئے بغیر تنہا نکاح کر سکتا ہے اور صغیرہ خیار بلوغ کے تحت اسی وقت تصرف پر قادر ہوگی جبکہ اس کو یہ معلوم ہو کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ اس کے بغیر تصرف پر قادر نہیں ہوسکتی اس لیے اس کو اصل نکاح سے جاہل رہنے کی صورت میں معذور قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا کہ جب بھی اصل نکاح کا علم ہوگا۔ خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صغیرہ کے لیے علم بالنکاح کی تو شرط لگائی ہے لیکن علم بالخیار کی شرط نہیں لگائی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صغیرہ کو یہ تو معلوم ہے کہ میرا نکاح ہو چکا لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ بالغ ہونے کے بعد شریعت نے مجھے خیارِ بلوغ کا حق دیا ہے۔ تو اس کو خیار بلوغ کے نہ جاننے کے سلسلے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام دارالعلم ہے یعنی پڑھنے پڑھانے کے مواقع ہیں۔ اور آزاد ہونے کی وجہ سے یہ صغیرہ بھی احکام شرع کو جاننے اور سیکھنے کے لیے فارغ تھی۔ لہٰذا اس کا جہل معتبر نہیں ہوگا اور ہم اس کو معذور نہیں سمجھیں گے۔ اس کے برخلاف اگر کسی آدمی کے پاس باندی ہے اور اس مالک نے اپنی باندی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا پھر مالک نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا اور باندی کو آزاد ہونے کے بعد یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ مجھ کو خیارِ عتق کے تحت نکاح فسخ کر دینے کا حق ہے۔ پس آزاد ہونے کے بعد معتقہ کا سکوت رضامندی نہیں ہوگا بلکہ معلوم ہونے تک خیارِ عتق رہے گا۔

دلیل: یہ ہے کہ باندی مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے احکام شرع سیکھنے کے لیے اپنا وقت فارغ نہیں کر سکتی تھی اس لیے باندی کو خیارِ عتق سے ناواقف رہنے میں معذور سمجھا جائے گا اور اس کو خیارِ عتق رہے گا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۸

وَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْبُلُوْغِ وَرِثَهُ الْآخَرُ وَكَذَا إِذَا مَاتَ بَعْدَ الْبُلُوْغِ قَبْلَ التَّفْرِيقِ لِأَنَّ أَصْلَ الْعَقْدِ صَحِيْحٌ وَالْمِلْكُ الثَّابِتُ بِهِ انْتَهٰى بِالْمَوْتِ بِخِلَافِ مُبَاشَرَةِ الْفُضُوْلِيِّ إِذَا مَاتَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ لِأَنَّ النِّكَاحَ ثَمَّهٗ مَوْقُوْفٌ فَيَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَهٰهُنَا نَافِذٌ فَتَقَرَّرَ بِهٖ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): فضولی، نکاح موقوف، نکاح نافذ، ان تینوں کی وضاحت کریں۔

(ج): مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہوئے عبارت میں مذکورہ دلیل کی وضاحت کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا بلوغ سے پہلے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور اسی طرح (حکم) ہے جب بالغ ہونے کے بعد تفریق سے پہلے مر جائے اس لیے کہ اصل عقد درست ہے اور وہ ملکیت جو عقد سے ثابت ہوئی ہے موت کی وجہ سے مکمل ہوگئی برخلاف عقدِ فضولی کے جب زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے اجازت سے پہلے (تو کوئی کسی کا وارث نہ ہوگا) کیونکہ نکاح وہاں موقوف ہے چنانچہ موت کی وجہ سے باطل ہو جائے گا اور یہاں نافذ ہے لہٰذا موت کی وجہ سے ثابت ہوگیا۔

(ب): سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ فضولی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا نکاح کردے اس حال میں کہ نہ وہ شخص اس کا ولی ہے اور نہ وکیل، تو ایسا نکاح اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ (بنایہ: ج/۵/ص ۱۰۰)

نکاح موقوف: کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان احکام نکاح نافذ نہیں ہوں گے مثلاً وراثت وغیرہ۔ (عین الہدایہ: ج/۲، ص/۴۴)

نکاح نافذ: کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے تمام احکام اس پر مرتب ہوں گے مثلاً وراثت کا حقدار ہونا۔ (عین الہدایہ: ج/۲، ص/۴۴)

(ج): اس تشریح کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب سمجھئے کہ اگر کسی ولی نے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح، کسی نابالغ لڑکی سے کردیا اور چونکہ میاں بیوی دونوں نابالغ ہیں اس لیے ان دونوں کو خیار بلوغ حاصل ہے یعنی بالغ ہونے کے بعد اختیار ہے چاہیں تو نکاح کو باقی رکھیں اور اگر چاہیں تو فسخ کردیں لیکن بالغ ہونے سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا وارث ہوگا یعنی اگر لڑکی مری تو لڑکا وارث ہوگا جو کہ شوہر ہے اور اگر لڑکا مرا تو لڑکی وارث ہوگی جو کہ اس کی بیوی ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہوا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ولی نے نابالغ یا نابالغہ کا نکاح کردیا کردیا پھر بلوغ کے بعد دونوں میں سے کسی نے بھی خیار بلوغ کا استعمال کیا یعنی نکاح کو فسخ کیا اور چونکہ میاں اور بیوی کے درمیان تفریق کرانا قاضی پر موقوف ہے۔ لیکن ابھی قاضی نے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی تھی کہ کوئی ایک مرگیا تب بھی دوسرا وارث ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ وہ ملک بضعہ جو اس عقد سے ثابت ہوا تھا وہ موت سے اپنے انتہاء اور تکمیل کو پہونچ گیا اور جو چیز اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے وہ زائل نہیں ہوتی بلکہ مستحکم طور پر ثابت ہوجاتی ہے۔ بس جب کوت سے زوجیت کا رشتہ مستحکم ہوا ہے اور زوجیت منقطع نہیں ہوئی تو آپس میں ایک دوسرے کو وراثت ملے گی ہاں منقطع ہوجاتی تو وراثت جاری نہ ہوتی اور یہاں ایسا ہے نہیں اگر کسی فضولی نے کسی مرد وعورت کا بغیر ان کی اجازت کے نکاح کردیا اور پھر اجازت سے پہلے زوجین میں سے کوئی مرگیا تو وراثت دوسرے کو نہیں ملے گی کیونکہ فضولی کے عقد کی صورت میں تو نکاح ہی اجازت پر موقوف ہے اور جب کوئی ایک مرگیا تو مرجانے کی وجہ سے اجازت دینا ممکن نہ رہا لہٰذا وہ عقد ہی باطل ہوجائے گا کہ لہٰذا وراثت بھی جاری نہیں ہوگی برخلاف نکاح قبل البلوغ کے مسئلہ کے، کہ وہاں نکاح تو پہلے سے ہی صحیح اور نافذ ہے البتہ لازم نہیں ہے اور مرنے سے نکاح کی صحت میں اور پختگی ہوگئی لہٰذا وراثت جاری ہوگی۔ (ملخص عین الہدایہ: ج/۲، ص/۴۴)

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۸

وَلاَ وِلاَيَةَ لِعَبْدٍ وَلاَ صَغِيرٍ وَلاَ مَجْنُوْنٍ وَلاَ وِلاَيَةَ لِكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً وَلِهٰذَا لاَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ عَلَيْهِ وَلاَ يَتَوَارَثَانِ أَمَّا الْكَافِرُ فَيَثْبُتُ لَهٗ وِلاَيَةُ الْإِنْكَاحِ عَلٰى وَلَدِهِ الْكَافِرِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَلِهٰذَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهٗ عَلَيْهِ وَيَجْرِيْ بَيْنَهُمَا التَّوَارُثُ وَلِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مِنَ الْأَقَارِبِ وِلَايَةُ التَّزْوِيجِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ مَعْنَاهُ عِنْدَ عَدِمِ الْعَصَبَاتِ وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَثْبُتُ وَهُوَ الْقِيَاسُ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب تحریر کرتے ہوئے غیر عصبات کی مثال بھی تحریر کریں۔

(ج): قیاس اور استحسان دونوں کی روشنی میں مسئلہ کی مکمل وضاحت کریں۔

(د): عصبات کی تعریف کرتے ہوئے ایک مثال بھی دیجئے نیز بتائے کہ کیا کافر کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ اور ولایت کی تعریف ضرور لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: غلام بچہ اور مجنون کو ولایت نہیں ہے اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں اللہ تعالی کے اس قول کی وجہ سے ولن یجعل اللہ الخ (ترجمہ) ہرگز اللہ تعالی کافروں کے لیے مسلمان پر کوئی راستہ نہیں بنائے گا اور اسی لیے کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ بہر حال کافر تو اس کے لیے اپنے بیٹے پر نکاح کرانے کی ولایت ثابت ہے اللہ کے اس قول کی وجہ سے والذین کفروا الخ (ترجمہ) اور کفار ان میں بعض کے بعض کے ولی ہیں اور اسی لیے کافر کی شہادت کافر کے خلاف قبول کی جائے گی اور ان دونوں کے درمیان وراثت جاری ہوگی، اور عصبات کے علاوہ رشتے داروں کے لیے ولایتِ تزویج ہے ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ عصبات کے نہ ہونے کے وقت، اور یہ استحسان ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا ولایت (غیر عصبات کے لیے) ثابت نہیں ہوگی اور یہی قیاس ہے۔

(ب): **تشریح**: صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ غلام، صغیر اور مجنون کو ولایتِ نکاح

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حاصل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولایت نکاح ولایتِ متعدیہ ہے آپ اسے ولایت کاملہ بھی کہہ سکتے ہیں اور ان تینوں حضرات کو تو ولایت قاصرہ بھی بابِ نکاح میں حاصل نہیں ہے کہ خود اپنا نکاح کرلیں تو ولایت کاملہ بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں ہوگی اور جنون سے مراد جنونِ طویل ہے۔ (فتح القدیر: ج۳، ص ۲۷۴)

کافر کو بھی مسلمان پر ولایت شرعیہ نہیں ہے دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: ولن یجعل اللّٰہ الخ اسی وجہ سے (کہ کافر کے لیے مسلمان پر کوئی راستہ نہیں ہے) کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قابل قبول نہ ہوگی اور نہ ہی وہ مسلمان کا وارث ہوگا البتہ کافر کو کافرہ پر ولایت ہوگی کیونکہ اللہ نے فرمایا: والذین کفرو بعضھم الخ اور اسی وجہ سے (کہ کافر کو اپنے کافر ولد پر ولایتِ انکاح حاصل ہے) کافر کی شہادت، اس کا کافر بیٹے کے خلاف قابل قبول ہوگی اور باپ بیٹے کے درمیان وراثت بھی جاری ہوگی چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (بنایہ ج۵ ص ۱۰۱)

ولغیر العصبات: سے ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ عصاب کے نہ ہونے کے وقت کیا دیگر رشتے داروں کو ولایتِ انکاح حاصل ہوگی یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر عصبات نہ ہوں تو دیگر رشتے داروں کو حسب ترتیب ولایتِ انکاح حاصل ہوگی مثلاً ماموں کو خالہ کو پھوپھی کو وغیرہ وغیرہ اور امام صاحبؒ کا یہ حکم استحسان پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ امام صاحب کے نزدیک ولایت شفقت کی وجہ سے ہوتی ہے اور غیر عصبات میں بھی شفقت ہوتی ہے تو شفقت کی بناء پر غیر عصبات کو عصبات کے درجہ میں اتار دیا اور ان کو بھی ولایت انکاح کا حق دے دیا۔ (حاشیہ ہدایہ ثانی)

البتہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ عصبات کے علاوہ دیگر اعزاہ واقارب کو ولایت انکاح حاصل نہیں ہے اور قیاس بھی یہی ہے کیونکہ ولایت قرابت کی حفاظت کے لیے ہے تاکہ غیر کفو کو قرابت کی جانب منسوب نہ کیا جاسکے اور یہ حفاظت اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ ولایت عصبات کے سپرد کی جائے لہٰذا غیر عصبات کو ولایت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ غیر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عصبات دوسرے قبیلے کی طرف منسوب ہوتے ہیں لہٰذا غیر کفو کے نکاح میں شامل ہونے سے غیر عصبات کو عار بھی نہیں ہوگی تو وہ اتنی پرواہ بھی نہیں کریں گے اور غیر کفو میں نکاح کردیں گے اور تساہلی برتنے کا بھی امکان ہے۔ (فتح القدیر: ج۳، ص۲۷۶)

اسی وجہ سے غیر عصبات کو ولایت انکاح حاصل نہیں ہوگی۔

(ج): اس کا جواب تشریح کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

(د): عصبہ کی تعریف مع مثال: مَنْ يَّأخُذُ مَاأبْقَتْهُ أَصْحَابُ الْفَرَائِضِ مِنَ الْمَالِ وَعِنْدَ الْإنْفِرَادِ يَحْرُزُ جَمِيعَ الْمَالِ كَالْإِبْنِ وَابْنِ الْإِبْنِ.

(شرح وقایہ: ص۲۶، حاشیہ نمبر۵)

کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے دلیل اللہ کا قول ہے: لن يجعل الله للكافرين الخ۔

ولایت کی تعریف: الولاية هو إنفاذُ القولِ على الْغيرِ. (فتح القدیر: ج۳، ص۲۷۴)

ہدایہ ثانی: ص ۳۱۹

وَإذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُونَةِ أبُوهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِي إنْكَاحِهَا إبْنُهَا فِي قَوْلِ أبِي حَنِيفَةَ وَأبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ أبُوهَا لِأنَّهُ أوْفَرُ شفقةً لَهُمَا إنَّ الابْنَ هُوَ الْمُقَدَّمُ فِي الْعُصُوبَةِ وَهٰذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنِيَّةٌ عَلَيْهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ الشَّفَقَةِ كَأبِ الْأُمِّ مَعَ بَعْضِ الْعَصَبَاتِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب لکھتے ہوئے شیخینؒ اور امام محمدؒ کے دلائل کی اچھی طرح وضاحت کریں۔

(ج): امام محمدؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کأب الأم الخ کو مثال سے واضح کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور جب مجنونہ عورت میں مجنونہ کا باپ اور مجنونہ کا بیٹا دونوں جمع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو جائیں تو اس کا نکاح کرانے کے سلسلے میں ولی کا بیٹا ہوگا شیخینؒ کے قول میں اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ولی، اس کا باپ ہوگا، اس لیے کہ باپ شفقت میں بیٹے سے بڑھا ہوا ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بیٹا عصبہ میں مقدم ہے اور یہ ولایت اسی پر مبنی ہے اور شفقت کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے جیسے ماں کا باپ (نانا) بعض عصبات کے ساتھ۔

(ب): تشریح: ...کہ یہ ہے کہ اگر مجنونہ کا بیٹا ہو اور باپ بھی، تو ولایتِ انکاح کسے ہے؟ یعنی کون نکاح کرانے کا حقدار ہوگا، شیخین کے نزدیک ولایت انکاح بیٹے کو حاصل ہوگی نہ کہ باپ کو اور امام مالکؒ واحمدؒ کا بھی قول یہی قول ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ولایت انکاح باپ کو حاصل ہوگی۔

امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ باپ کی شفقت بیٹے کی شفقت سے زیادہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ باپ کو مجنونہ کے نفس اور مال دونوں میں ولایت ہے اور بیٹے کو صرف نفس میں ولایت ہے لہٰذا باپ کی شفقت۔ بیٹے کی شفقت سے زیادہ ہے۔

(ہدایہ: ج/۵، ص/۱۰۵)

اور اس ولایت کا دارومدار شفقت پر ہے لہٰذا باپ کو ہی ولایت انکاح حاصل ہوگی۔

(عین الہدایہ: ج/۲، ص/۴۷)

شیخینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عصبہ ہونے میں بیٹا ہی مقدم ہے کیوں کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے باپ کو صرف چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹا عصبہ ہوگا اور ولایت کا دارومدار عصبہ ہونے پر ہے لہٰذا بیٹے کی موجودگی میں بیٹے کو ہی ولایت انکاح ہوگی۔

(بنایہ: ج/۵، ص/۱۰۵، عین الہدایہ: ج/۲، ص/۴۷)

(ج): ولا معتبر الخ امام محمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حق ولایت کا مدار عصبہ ہونا ہے نہ کہ زیادتی شفقت جیسے ماں کا باپ (نانا) بعض عصبات کے ساتھ مثلاً ایک عورت کا نانا موجود ہے اور چچا کے بیٹے کا بیٹا موجود ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ نانا کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شفقت بڑھی ہوئی ہے لیکن زیادتی شفقت کے باوجود "عصبہ" اور "ولی" چچیرا بھتیجہ یعنی چچا کے لڑکے کا لڑکا ہی رہا تو معلوم ہوا کہ اعتبار عصبہ ہونا ہے نہ کہ زیادتی شفقت جیسا کہ امام محمدؒ نے خیال کیا ہے۔ (عین الہدایہ)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۲

وَمَنْ زَوَّجَ إِبْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ عَبْدًا وَزَوَّجَ إِبْنَهُ وَهُوَ صَغِيرٌ أَمَةً فَهُوَ جَائِزٌ قَالَ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ لِأَنَّ الْإِعْرَاضَ عَنِ الْكَفَائَةِ لِمَصْلِحَةٍ تَفُوقُهَا وَعِنْدَهُمَا هُوَ ضَرَرٌ ظَاهِرٌ.

(الف): ترجمہ ومطلب لکھیں۔

(ب): صاحبین کے نزدیک یہ نکاح کیوں ناجائز ہے دلیل سے واضح کریں۔

(ج): کفاءت کن کن چیزوں میں معتبر ہے تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور کسی شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا غلام سے نکاح کردیا، یا اپنے نابالغ لڑکے کا باندی سے نکاح کردیا تو جائز ہے، مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اس لیے کہ کفاءت سے اعراض کرنا کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے ہے جو کفاءت سے بڑھ کر ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ کھلا ہوا ضرر ہے۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی چھوٹی صغیرہ لڑکی کا غلام سے نکاح کردیا یا صغیرہ لڑکے کا باندی سے نکاح کردیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے دلیل یہ ہے کہ باپ دادا نے جب غیر کفو میں نکاح کیا تو ضرور کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے کیا ہوگا جو کفو سے بڑھ کر ہے، لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

(ب): صاحبین کے نزدیک یہ نکاح ناجائز ہے اس لیے کہ ولایت خیر خواہی کی وجہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سے ہوتی ہے پس جب اس نے غیر کفو میں نکاح کر دیا تو اس کے ساتھ خیر خواہی نہیں کی اس لیے کہ خیر خواہی تو کفو میں نکاح کرنا تھا اور غیر کفو میں نکاح کرنا یہ تو کھلا ہوا ضرر ہے خیر خواہی کہاں ہے اور ولایت تو خیر خواہی کی وجہ سے تھی اور وہ مفقود ہے لہٰذا ولایت بھی باطل ہے اور نکاح جائز نہیں ہوگا۔

(ج): کفاءت پانچ چیزوں میں معتبر ہے: (۱) نسب میں (۲) حریت میں (۳) دین میں (۴) مال میں (۵) پیشہ میں۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۲

وَكَذٰلِكَ لَوْزَوَّجَ رَجُلٌ إِمْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلاً بِغَيْرِ رِضَاهُ (اى موقوف) وهٰذا عِندَنَا فَإِنَّ كُلَّ عَقْدٍ صَدَرَ مِنَ الْفُضُولِيِّ وَلَهُ مُجِيزٌ اِنْعَقَدَ مَوْقُوْفًا عَلَى الْإِجَازَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَصَرُّفَاتُ الْفُضُولِيِّ كُلُّهَا بَاطِلَةٌ لِأَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ لِحُكْمِهِ وَالْفُضُولِيُّ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِثْبَاتِ الْحُكْمِ فَتَلْغُوْ وَلَنَا أَنَّ رُكْنَ التَّصَرُّفِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إِلَى مَحِلِّهِ وَلَا ضَرَرَ فِي اِنْعِقَادِهِ فَيَنْعَقِدُ مَوْقُوْفًا حَتّٰى إِذَا حتى إذا رَأَىٰ مَصْلِحَةً فِيْهِ يُنَفِّذُهُ وقديتراخىٰ حُكْمُ العقد عَنِ الْعَقْدِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): عبارت کی وضاحت کریں۔

(ج): فضولی کی تعریف اور ولہ مجیز کی قید کا فائدہ ذکر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اسی طرح ہے اگر کسی آدمی نے کسی عورت کا نکاح کر دیا اس کی رضامندی کے بغیر یا کسی مرد کا نکاح کر دیا اس کی رضامندی کے بغیر، یعنی موقوف ہوگا اور یہ ہمارے نزدیک ہے اس لیے کہ ہر وہ عقد جو فضولی سے صادر ہو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اوراس کی کوئی اجازت دینے والا ہوتو عقد اجازت پر موقوف ہوکر منعقد ہوجائے گا اور امام شافعیؒ نے فرمایا فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں اس لیے کہ عقد کو اس کے حکم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور فضولی اثبات حکم کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ تصرف لغو ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تصرف کا رکن، اس کے اہل سے صادر ہوا ہے اس کے محل کی جانب مضاف ہوکر، اور اس کے منعقد کرنے میں کوئی ضرر نہیں ہے لہٰذا موقوف ہوکر منعقد ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر وہ اس میں کوئی مصلحت دیکھتے تو نافذ کردے اور کبھی عقد کا حکم عقد سے مؤخر ہوجاتا ہے۔

(ب): عبارت کی وضاحت: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر فضولی کسی مرد یا عورت کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کردیا تو ہمارے نزدیک نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن اس کی اجازت پر موقوف ہوگا کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جو بھی عقد فضولی کرے خواہ وہ نکاح کا ہو یا بیع کا۔ اگر اس عقد وتصرف کی اجازت دینے والا کوئی ہے تو وہ عقد اجازت پر موقوف ہوکر منعقد ہوجائے گا لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ عقد تو اپنے حکم کے لیے وضع ہوا ہے اور فضولی حکم ثابت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کے عقد کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تصرف کا رکن یعنی نکاح کا رکن اور وہ ایجاب وقبول ہے تصرف کے اہل سے یعنی عاقل وبالغ سے صادر ہوا ہے اور تصرف کے محل کی جانب منسوب ہے یعنی وہ محرمات میں سے نہیں ہے تو کوئی ضرر نہیں ہے اگر عقد کو موقوف کرکے منعقد کردیا جائے، تو ہاں ضرر اس وقت ہوسکتا تھا جب کہ اسے لازم کردیا جائے اور ہم نے لازم کیا نہیں بلکہ اس کے صواب دید پر چھوڑ دیا کہ مصلحت سمجھے تو نافذ کردے ورنہ رد کردے۔

(فتح القدیر: ج ۳/ص ۲۹۷)

قولہ وقد یتراخی عنہ: امام شافعیؒ کے قول کا جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ عقد اس کے حکم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور فضولی حکم کے ثابت کرنے پر قادر نہیں ہے اس کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب یہ ہے کہ بات آپ کی مسلّم ہے لیکن یہاں حکم معدوم نہیں ہے بلکہ اجازت پر موقوف ہے اور حکم کبھی عقد سے مؤخر ہوجاتا ہے جیسے کسی نے خیا شرط پر بیع کیا تو یہاں بیع کا حکم خیار شرط پر معلق ہے اسی طرح یہاں بھی حکم پایا جارہا ہے البتہ اجازت پر معلق ہے الہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ فضولی حکم کے اثبات پر قادر نہیں ہے درست نہیں ہے بلکہ وہ قادر ہے البتہ اجازت پر معلق ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۱۲۷)

(ج): ولہ مجیز: سے مراد وہ شخص ہے جس کو عقد کے نفاذ پر قدرت ہو اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس کو نفاذ پر قدرت نہ ہو اس کا عقد موقوف نہیں ہوگا بلکہ باطل ہوجائے گا جیسا کہ کوئی یتیم بچہ ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو اور اس کا فضولی نے نکاح کر دیا تو عقد باطل ہے اسی طرح فضولی نے کسی ایسے شخص کا جس کے تحت آزاد عورت ہے۔ باندی سے نکاح کر دیا تو عقد باطل ہے کیونکہ اس شخص کو نافذ کرنے پر قدرت نہیں ہے۔

(فتح القدیر: ج/۳، ص/۲۹۷)

فضولی کی تعریف: الفضولي هو من لا يكون أصلا ولا وليّاً ولا وكيلا.

(بین السطور ہدایہ ثانی: ص/۳۲۲)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۲

وَمنْ قَالَ إشْهَدُوْا أنّي قَدْ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةً فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَأَجَازَتْ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ قَالَ آخرُ اشهَدُوْا أَنِّي قَدْ زَوَّجْتُهَا مِنْهُ فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَأَجَازَتْ جَازَو كَذٰلِكَ إن كَانَتِ الْمَرْأَةُ هِيَ الَّتِيْ قَالَتْ جَمِيْعَ ذٰلِكَ. وهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أبو يُوسُفَ: إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا غَائِبًا فَبَلَغَهُ فَأَجَازَ جَازَ، وَحَاصِلُ هٰذا أَنَّ الواحد لا يُصلحُ فُضُوليًّا مِنَ الْجَانِبَيْنِ أَوْ فُضُوليًّا مِنْ جَانِبٍ وَأصِيلاً من جانبٍ عِنْدَهُمَا خلافًا لَهُ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مسئلہ کی صورت لکھ کر اختلاف کی مدلل وضاحت کریں اور اصیل وفضولی کی تعریف کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جس نے کہا کہ تم گواہ رہو میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر اس عورت کو خبر پہنچی۔ پھر اس نے اجازت دیدی تو عقد باطل ہے اور اگر (اسی مجلس میں) دوسرے نے کہا کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اس عورت کا اس (مرد) سے نکاح کر دیا۔ پھر اس عورت کو خبر پہنچی پھر اس نے اجازت دیدی تو نکاح جائز ہوگا۔ اور اسی طرح ہے اگر یہ سب عورت نے کہا اور یہ سب امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جب عورت نے اپنا نکاح غائب مرد سے کیا پھر اس (مردِ غائب) کو خبر ملی۔ پھر اس نے اجازت دیدی تو جائز ہے۔ اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک آدمی جانبین سے فضول بننے کی یا ایک جانب سے فضولی اور ایک جانب سے اصیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے طرفین کے نزدیک، برخلاف امام ابو یوسفؒ کے۔

(ب): عبارت کی وضاحت: مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہا کہ تم دونوں گواہ رہو میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا لیکن اس مجلس میں عورت کی جانب سے کسی نے قبول نہیں کیا، پھر اس کے بعد عورت کو اس نکاح کی اطلاع ملی اور اس نے نکاح کی اجازت دیدی تو یہ نکاح طرفین کے نزدیک صحیح نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح جائز ہے لیکن اگر اسی مجلس میں (جس میں اس نے دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہا تھا کہ تم دونوں گواہ رہو میں نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا) دوسرے نے کھڑے ہو کر کہا کہ تم گواہ رہو میں نے اس عورت کو جس سے نکاح کے بارے میں یہ شخص

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہہ رہا ہے اس کے نکاح میں دیدیا، یا یوں کہا کہ میں نے اس عورت کی طرف سے قبول کیا پھر اس کے بعد اس عورت کو نکاح کی خبر ملی اور اس نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا تو اب یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

ان دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں اجازت دینے والا یعنی عورت کی جانب سے قبول کرنے والا نہیں پایا گیا، لہٰذا نکاح باطل ہوگا اور نکاح موقوف نہیں ہوگا اور دوسرے مسئلے میں اجازت دینے والا یعنی عورت کی جانب سے قبول کرنے والا پایا گیا، لہٰذا نکاح موقوف رہے گا کیونکہ فضولی کے نکاح کے موقوفاً منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ مجلسِ عقد میں اجازت دینے والا موجود ہو اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ یہ سارا کلام عورت نے کیا یعنی عورت نے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو میں نے اپنے آپ کو فلاں ابن فلاں کے نکاح میں دیدیا، پس اگر اسی مجلس عقد میں کسی نے مرد کی جانب سے قبول نہیں کیا اور اس کے بعد اس مرد کو خبر پہنچی پھر اس مرد نے اس نکاح کی اجازت دی تو یہ نکاح طرفین کے نزدیک باطل ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہوگا اور اگر اس مجلسِ عقد میں کسی نے مرد کی جانب سے قبول کیا پھر اس کے بعد مرد کو اس نکاح کی اطلاع ملی اور اس مرد نے نکاح کی اجازت دیدی تو یہ نکاح جائز ہوگا۔

اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ آیا ایک آدمی ایک جانب سے اصیل اور دوسرے کی جانب سے فضولی یا دونوں جانب سے فضولی بن سکتا ہے یا نہیں ہے تو اس میں طرفین اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں بن سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بن سکتا ہے۔ پہلی صورت میں چونکہ مرد اپنی طرف سے اصیل اور عورت کی طرف سے فضولی بن رہا ہے اور طرفین کے نزدیک چونکہ ایک ہی آدمی ایک کی طرف سے اصیل اور دوسرے کی طرف سے فضولی نہیں بن سکتا ہے اس لیے ان کے نزدیک نکاح پہلی صورت میں باطل ہے اور دوسری صورت میں اس طرح نہیں ہے اس لیے نکاح صحیح ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں صوروں میں نکاح صحیح ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اصیل کی تعریف: الاصیل هو احد المتعاقدين بنفسه. (شرح وقایہ بین السطور: ص ۳۰)

فضولی کی تعریف: هو من يتصرف بغيره بغير ولاية ولا وكالة او لنفسه وليس أهلا. (شرح وقایہ: ج ۲، ص ۳۰ حاشیہ ۵)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۳

وَمَنْ أَمَرَ رَجُلاً أَنْ يُزَوِّجَهُ اِثْنَتَيْنِ فِي عَقْدَةٍ لَمْ تَلْزَمْهُ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا، لِأَنَّهُ لاَ وَجْهَ إِلَى تَنْفِيْذِهِمَا لِلْمُخَالَفَةِ وَلاَ إِلَى التَّنْفِيْذِ فِي اِحداهُما غَيْرَ عَيْنٍ لِلْجَهَالَةِ وَلاَ إِلَى التَّعْيِيْنِ لِعَدَمِ الْاَ وْلَوِيَّةِ فَتَعَيَّنَ التَفْرِيقُ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): عبارت کا مطلب لکھئے۔

(ج): یہ بتائیے کہ یہ نکاح غیر نافذ تو ہے۔ کیا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے سوچ سمجھ کر لکھئے۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور جس شخص نے کسی ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا کسی ایک عورت سے نکاح کرادے۔ پس اس (وکیل) نے اس کا ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے نکاح کرادیا تو اس (موکل) کو دونوں میں کوئی لازم نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ مخالفت کی وجہ سے دونوں کے عقد نکاح کو نافذ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان دونوں میں سے ایک غیر متعین میں نافذ کرنے کی کوئی وجہ ہے جہالت کی وجہ سے اور نہ ہی عدمِ اولویت کی وجہ سے متعین کرنے کی (کوئی وجہ ہے) پس تفریق متعین ہوگی۔

(ب): عبارت کی تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی آدمی کو وکیل بنایا اور کہا کہ میرا کسی عورت سے نکاح کردے اور وکیل نے تعداد میں مخالفت کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اورایک ہی عقد میں دوعورتوں سے نکاح کردیا تو مؤکل کے لیے ان دونوں عورتوں میں سے کسی کا نکاح لازم نہیں ہوگا اور یہی صحیح ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ اس مسئلے کی تین صورتیں بنیں گی۔ پہلی صورت یہ کہ دونوں عورتوں میں عقدِ نکاح کو نافذ کردیا جائے۔ دوسری صورت یہ کہ ایک غیر متعین عورت میں نافذ کردیا جائے۔ تیسری صورت یہ کہ ایک کو متعین کرکے نافذ کیا جائے، لیکن تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ پہلی صورت تو اس لیے ممکن نہیں ہے کہ دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے میں مؤکل کی مخالفت ہے۔ کیونکہ مؤکل نے ایک سے نکاح کرنے کے لیے کہا تھا)، اس لیے یہ صورت باطل ہے اور دوسری صورت اس لیے ممکن نہیں ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک غیر متعین میں نکاح کو نافذ کردیا جائے تو جہالت پیدا ہوجائے گی اور معلوم نہیں ہوگا ان دونوں میں سے کون عقد میں آئی تو مجہولہ میں نکاح بیان شرط پر معلق ہوگا اور نکاح کے ملک کو معلق کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

اور تیسری صورت اس لیے ممکن نہیں ہے کہ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو متعین کرکے اس کے اندر نکاح کو نافذ کردیا جائے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور ترجیح کے لیے کوئی وجہِ ترجیح چاہیے اور وہ یہاں پائی نہیں جارہی ہے لہٰذا یہ بھی باطل ہے۔ پس جب تینوں صورتیں ممکن ہی نہیں ہیں تو عورت اور شوہر کے درمیان تفریق متعین ہوگئی یعنی دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے اور کسی کے ساتھ نکاح کو لازم نہ کیا جائے۔

(ج): یہ نکاح جائز ہے، کیونکہ عقد اس کے اہل سے صادر ہوا ہے اور عقد اپنے محل کی طرف منسوب ہوا ہے لہٰذا جواز میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (کنز الدقائق: ص/۱۰۳، حاشیہ:۲)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۴

وَلَوْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا الْعَشَرَةُ عِنْدَنَا وَقَالَ زُفَرُ لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ لِأَنَّ تَسْمِيَةَ مَالَا يَصْلُحُ مَهْراً كَعَدَمِهَا وَلَنَا أَنَّ فَسَادَ هٰذِهِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

التَّسْمِيَةِ لِحَقِّ الشَّرْعِ وَقَدْ صَارَ مَقْضِيًّا بِالعَشَرِ، فأمَا مَا يَرجعُ إلَى حَقِّهَا فَقَدْ رَضِيَتْ بِالْعَشَرَةِ لِرِضَاهَا بِمَا دُونَهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِعَدَمِ التَّسْمِيَةِ لِأَنَّهَا قَدْ تَرْضَى بِالتَّمْلِيكِ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ تَكَرُّمًا وَلَا تَرضٰى فِيهِ بَالعَوضِ اليسير.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مسئلہ کی صورت لکھ کر اختلاف کی وضاحت کریں اور ہر ایک کے قول کو مدلل کریں۔

(ج): مہر مثل کسے کہتے ہیں؟

الجواب

(الف): ترجمہ: اور اگر دس درہم سے کم مہر مقرر کیا تو اس کے لیے دس درہم ہوگا ہمارے نزدیک اور امام زفرؒ نے فرمایا اس کے لیے مہر مثل ہوگا اس لیے کہ ایسی چیز مقرر کرنا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی عدم تسمیہ کی طرح ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس تسمیہ کا فساد حق شرع کی وجہ سے ہے اور دس سے پورا ہو گیا بہر حال وہ جو عورت کے حق کی طرف لوٹے گا تو وہ دس پر راضی ہوگئی ہے اس کے دس سے کم پر راضی ہونے کی وجہ سے اور عدم تسمیہ پر قیاس کرنا معتبر نہیں ہے اس لیے کہ عورت کبھی بغیر عوض کے مالک بنانے پر راضی ہو جاتی ہے اکراماً، اور خفیف عوض پر راضی نہیں ہوتی۔

(ب): صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مہر دس درہم سے کم مقرر کیا تو شوہر پر بیوی کے لیے دس درہم لازم ہوگا۔ یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے لیکن امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم مقرر کرنے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ اس نے اتنی مقدار مہر مقرر کیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے تو یہ ایسا ہوگیا کہ اس نے مہر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مقرر نہیں کیا اور عدم تسمیہ بھی مقرر نہ کرنے کی مانند ہے، لہٰذا اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی مہر مثل واجب ہوگا اور یہی قیاس ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ مہر میں حق عبد ہوتا ہے اور حق شرع بھی پس جب اس نے دس درہم سے کم پر نکاح کر لیا اور عورت دس سے کم پر راضی ہوگئی تو اس نے حق شرع کو بھی اپنے حق کے ساتھ ساقط کر دیا کیونکہ دس درہم حق شرع ہے اور آگے حق العبد ہے اور کسی کو حق شرع کے ساقط کرنے کا اختیار نہیں ہے لہٰذا دس درہم پر بدرجۂ اولیٰ راضی ہوگی اور دس درہم کے بعد اس نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے لہٰذا اس کا اعتبار کیا جائے گا البتہ حق شرع کی وجہ سے دس درہم لازم ہوں گے۔

لا معتبر بعدم التسمیہ: امام زفرؒ کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عدم تسمیہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ عورت کبھی اپنے کرم و تفضّل کو ظاہر کرنے کے لیے بالکل مہر نہ لینے پر راضی ہو جاتی ہے لیکن عوض یسیر پر راضی نہیں ہوتی حالانکہ وہ یہاں دس درہم سے بھی کم پر راضی ہو چکی ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر وہ بالکل بھی مہر نہ لینے پر راضی ہو جائے تو دس سے کم پر بھی راضی ہوگی لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔

(ج): مہر مثل: اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے خاندان کی اس جیسی عورت کا مہر ہو۔

ہدایہ ثانی: ۳۲۴

وَلَوْ سَمّٰی اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا الْعَشَرَةُ وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا تَجِبُ خَمْسَةٌ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَعِنْدَ زُفَرَؒ تَجِبُ الْمُتْعَةُ وَمَنْ سَمّٰی مَهْرًا عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمّٰی اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا لِاَنَّهٗ بِالدُّخُوْلِ يَتَحَقَّقُ تَسْلِيْمُ الْمُبْدَلِ وَبِهٖ يَتَاَكَّدُ الْبَدَلُ وَبِالْمَوْتِ يَنْتَهِی النِّكَاحُ نِهَايَتَهٗ وَالشَّیْءُ بِانْتِهَائِهٖ يَتَقَرَّرُ وَيَتَاَكَّدُ فَيَتَقَرَّرُ بِجَمِيْعِ مَوَاجِبِهٖ.

(الف): ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): یہاں متعہ سے کیا مراد ہے؟ اس کو لکھ کر مسئلہ کی مکمل وضاحت اور اختلافِ ائمہ دلائل کے ساتھ واضح کیجئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر (عقد میں مہر) دس درہم سے کم متعین کیا تو عورت کے لیے دس درہم ہوں گے اور اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دیدی تو ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک پانچ درہم واجب ہوں گے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک متعہ واجب ہوگا اور جس شخص نے (مہر) دس درہم یا زیادہ مقرر کیا تو اس پر مسمّٰی ہے۔ اگر اس نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا اس کو چھوڑ کر مر گیا۔ اس لیے کہ دخول کی وجہ سے مبدل کو سپرد کرنا متحقق ہو گیا اور اسی (بضع کی سپردگی) سے بدل مؤکد ہوتا ہے اور موت سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور شئی اپنی انتہاء سے متقرر اور مؤکد ہو جاتی ہے پس (نکاح) اپنے تمام احکام کے ساتھ متقرر اور مؤکد ہوگا۔

(ب): یہاں متعہ سے مراد متعہ اصطلاحی ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی نے نکاح کے وقت اپنی بیوی کا مہر دس درہم سے کم ٹھہرایا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک عورت کے لیے دس درہم ہوں گے لیکن اگر اسی صورت میں شوہر نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدی یعنی بیوی سے ہمبستری کی نوبت نہیں آئی اس سے پہلے ہی شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی تو احناف کے نزدیک شوہر پر عورت کے لیے پانچ درہم واجب ہوں گے اور امام زفرؒ کے نزدیک عورت کے لیے متعہ واجب ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل قیاس ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی چیز کو مہر بنانا جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو وہ عدمِ تسمیہ کے مانند ہے گویا کہ اس نے مہر مقرر کیا ہی نہیں اور عدمِ تسمیہ کی صورت میں چونکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے اور یہاں بھی چونکہ ان کے نزدیک مہر متعین کرنا صحیح نہیں ہوا تو ان کے نزدیک اس صورت میں بھی مہر مثل واجب تھا۔ لیکن مہر مثل کی صورت میں اگر طلاق قبل الدخول واقع ہو جائے تو متعہ واجب ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی متعہ واجب ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہماری دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ دس درہم سے کم کے تسمیہ کا فساد شریعت کی حق کی وجہ سے تھا اور شریعت کا حق دس درہم سے پورا ہو جاتا ہے لہٰذا دس درہم پورے کر دیئے جائیں گے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اب دس درہم مسمّٰی ہو گیا اور چونکہ مسمّٰی کی صورت میں اگر دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو مسمّٰی کا نصف واجب ہوتا ہے اور یہاں یہی صورت ہے لہٰذا پانچ درہم جو مسمّٰی یعنی دس درہم کا نصف ہے واجب ہوگا۔ متعہ واجب نہیں ہوگا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کا مہر دس درہم یا زیادہ مقرر کیا۔ پھر اس کے بعد شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا یا میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں شوہر پر کل مسمّٰی یعنی دس درہم یا زیادہ جو بھی شوہر نے متعین کیا ہے واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ دخول کی وجہ سے مبدل یعنی بضع کا سپرد کرنا متحقق ہو گیا یعنی جب شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کر لیا تو بیوی نے اپنا، بضع جو کہ مہر کا مبدل ہے شوہر کے حوالہ کر دیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہوتا ہے، لہٰذا شوہر پر بضع کا بدل جو کہ مہر ہے شوہر کے ذمہ واجب ہوگا۔ اور احد الزوجین میں سے کسی کے انتقال کے بعد شوہر پر کل مسمّٰی واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے شئی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور شئی اپنی انتہاء کو پہنچ کر متقرر، اور مؤکد ہو جاتی ہے یعنی تغیر کے قابل نہیں رہتی۔ پس نکاح اپنے تمام احکام اور مواجب کے ساتھ ثابت ہوگا۔ اور نکاح کے احکام میں سے ایک مہر بھی ہے۔ لہٰذا موت کی وجہ سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا اور شوہر کے ذمہ کل مسمّٰی واجب ہوگا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۴

وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ) الآية وَالْأَقْيِسَةُ مُتَعَارِضَةٌ فَفِيهِ تَفْوِيتُ الزَّوْجِ الْمِلْكَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِاخْتِيَارِهٖ وَفِيهِ عَوْدُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ إِلَيْهَا سَالِمًا فَكَانَ الْمَرْجِعُ فِيهِ النَّصَّ وَشَرْطُ أَنْ يَّكُونَ قَبْلَ الْخَلْوَةِ لِأَنَّهَا كَالدُّخُولِ عِنْدَنَا.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ مصنفؒ "الأقيسة الخ" سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟

(ج): معقود علیہ کی مراد اور اس کی سلامتی کی وجہ بھی لکھئے۔

(د): "الاقیسة" کی لغوی وصرفی تحقیق کریں نیز نص کی تعریف کریں اور بتائیں کہ نص میں اجماع اور قیاس داخل ہیں یا نہیں؟

الجواب

(الف): **ترجمہ** : اور اگر شوہر نے بیوی کو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو بیوی کے لیے مسمّٰی کا نصف ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے (اور اگر تم ان کو چھونے سے پہلے یعنی دخول سے پہلے انہیں طلاق دیدو) اور قیاس متعارض ہیں چنانچہ ایک قیاس میں شوہر کا اپنے اختیار سے اپنی ملکیت فوت کرنا ہے اور دوسرے قیاس میں معقود علیہ کا عورت کے پاس صحیح وسالم واپس ہوجانا ہے تو اس میں مرجع نص ہوگا اور صاحب قدوری نے قبل الخلوۃ کی شرط لگائی ہے اس لیے کہ خلوت ہمارے نزدیک دخول کی طرح ہے۔

(ب): **تشریح** : مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو قبل الدخول طلاق دیدی اور اس کا مہر مقرر ہے تو نصفِ مہر مسمی واجب ہوگا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ - الي - وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ" اس آیت میں ان عورتوں کے لیے جن کو طلاق قبل الدخول دے دی گئی اور مہر مقرر ہے نصف مہر مسمی لازم قرار دیا گیا ہے لہٰذا نصف مہر مسمی واجب ہوگا۔

"الأقيسة" سے ایک اشکال دفع کرنا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کا فرمان 'وقد فرضتم لهن' سے شراب اور خنزیر خارج ہیں تو یہ عام مخصوص ہوگیا اور قیاس یہ ہے کہ کچھ بھی مہر واجب نہ ہو کیونکہ عورت کے پاس اس کا بضعہ بغیر تصرف کے آگیا ہے اور قیاس عام مخصوص پر راجح ہوتا ہے لہٰذا بالکل بھی مہر نہیں ہونا چاہیے۔ (حاشیہ ہدایہ)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے جو آپ نے بیان فرمایا لیکن ایک دوسرا قیاس بھی ہے کہ شوہر نے اپنے اختیار سے ملک بضع کو ختم کر دیا ہے طلاق دے کر اور عورت کی طرف سے کوئی مانع نہیں تھا اور یہ قیاس تقاضا کر رہا ہے کہ پورا مہر ملے جیسے مشتری جب وہ مبیع کو قبضہ سے پہلے تلف کر دے تو اس پر ثمن واجب ہوتا ہے ایسے یہاں بھی، چنانچہ اب دو قیاس متعارض ہو گئے تو دونوں ساقط ہو جائیں گے اور نص کی طرف رجوع کیا جائے گا اور نص میں نصف مہر کا حکم ہے لہٰذا وہ واجب ہوگا۔ (فتح القدیر: ص ۳/۱۱۳)

اور صاحب قدوری نے متن میں خلوت کی قید لگائی ہے کیوں کہ خلوت احناف کے نزدیک مکمل مہر کے مؤکد ہونے کے سلسلے میں دخول ہی کے مانند ہے۔ (فتح القدیر: ص ۳/۳۱۲)

(ج): معقود علیہ سے مراد بضعہ ہے اور بضعہ کی سلامتی کی وجہ یہ ہے کہ شوہر نے بغیر کسی تصرف کے، یعنی دخول کے بغیر بیوی کا بضعہ اپنے ملک سے خارج کر دیا، اور شوہر نے عورت سے جماع نہیں کیا ہے، لہٰذا عورت کا بضعہ صحیح وسالم رہا۔

(د): "الأقیسة"، جمع ہے اس کا واحد قیاس ہے باب ضرب سے ہے لغت میں اس کے معنی ہیں "ردُّ الشیء إلی نظیرہ اور فقہ میں 'حَمْلُ فرع علی اصل لعلة مشترکة بینهما" کو کہتے ہیں۔ (معجم الوسیط: ص ۲/۷۷۰)

نص کی تعریف: "النص هو ما ازداد وضوحاً علی الظاهر لمعنی من المتکلم لا فی نفس الصیغة". (نورالانوار: ص ۸۶)

نص وہ ہے جو وضاحت میں ظاہر سے بڑھا ہوا ایسے معنی کی وجہ سے جو متکلم کی جانب سے ہو نہ کہ نفس صیغہ میں نص میں اجماع اور قیاس داخل نہیں ہیں۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۴

وَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْراً أَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى أَنْ لَا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجِبُ شَيْءٌ فِي الْمَوْتِ وَأَكْثَرُهُمْ عَلٰى أَنَّهُ يَجِبُ فِي الدُّخُولِ لَهُ أَنَّ الْمَهْرَ خَالِصُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حقِهَا فتمكَّنُ مِنْ نفيه ابتداءً كما تتمكَّنُ مِنْ إسقاطِهِ إنتهاءً ولنا أنَّ المَهرَ وُجُوبًا حقُّ الشَّرعِ على مَامَرَّ وإنَّما يَصِيرُ حقًّا لَهَا فِي حَالَةِ البَقَاءِ فتَمْلِكُ الإبراءَ دُونَ النَّفْيِ.

(الف): ترجمہ اور مطلب تحریر کریں۔

(ب): مہر وجوباً شریعت کا حق ہے اس کی مدلل وضاحت کریں،

(ج): ابراء اور نفی میں فرق بیان کرکے بتائیں کہ احناف کے نزدیک نفی مہر کیوں جائز نہیں ہے؟

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر (کسی نے) عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے مہر ذکر نہیں کیا۔ یا اس سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے لیے مہر نہیں ہے تو اس (عورت) کے لیے مہر مثل ہوگا، اگر اس سے دخول کیا یا اس کو چھوڑ کر مر گیا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ موت کی صورت میں کوئی چیز واجب نہیں ہے اور اکثر شوافع اس بات پر ہیں کہ مہر دخول کی صورت میں واجب ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے پس وہ ابتداء اس کی نفی کرنے پر قادر ہوگی جس طرح انتہاء اس کو ساقط کرنے پر قادر ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر وجوباً شریعت کا حق ہے اس بناء پر جو گزر گیا اور عورت کا حق ہوگا حالت بقاء میں پس وہ عورت بری کردینے کی مالک تو ہوگی (لیکن) نفی کردینے کی (مالک) نہیں (ہوسکتی ہے)۔

عبارت کی تشریح: اس عبارت کے اندر مصنفؒ نے دو صورتیں بیان کی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر کے بارے میں خاموشی اختیار کی نہ تو مہر کو ذکر کیا نہ ہی مہر کی نفی کی یہ پہلی صورت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر کے نہ ہونے کی شرط لگادی یعنی عورت سے یہ کہہ دیا کہ تم کو مہر میں کچھ نہیں دونگا۔ تو ان دونوں صورتوں میں اگر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شوہر نے عورت کے ساتھ دخول کرلیا یا شوہر کا انتقال ہوگیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کے لیے شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کا انتقال عورت کے ساتھ دخول سے پہلے ہوگیا تو اس صورت میں شوہر پر ان کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اور اکثر شوافعؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے عورت کے ساتھ دخول کرلیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالصۃً عورت کا حق ہے پس جس طرح وہ انتہاء مہر ساقط کرنے پر قادر ہے اسی طرح ابتداء بھی نفی کرنے پر قادر ہوگی یعنی جس طرح عورت نکاح کے بعد اپنے شوہر سے مہر معاف کرسکتی ہے تو یہ انتہاء ہوا ایسے ہی وہ ابتداء اگر معاف کردے تو بھی صحیح ہے کیوں کہ جب شوہر نے کہا کہ کوئی مہر نہیں ہے تو عورت کا نکاح پر راضی ہونا معاف کرنے کی دلیل ہے لہٰذا عورت کو کچھ نہیں ملے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر وجوباً شریعت کا حق ہے آیت۔ أن تبتغوا باموالکم اور آیت "قد علمنا ما فرضنا" کی وجہ سے اور مہر عورت کا حق حالتِ بقاء میں ہے لہٰذا عورت بقاءً تو ساقط کرسکتی ہے لیکن ابتداءً نفی نہیں کرسکتی۔ پس امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ ابتداً نفی کرنے پر قادر ہے اپنے حق سے تجاوز کرنا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

(ب): مہر وجوباً شریعت کا حق ہے اس کی دلیل اللہ کا یہ قول "وقد علمنا ما فرضنا" ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اس آیت میں فرض تقدیر کے معنی میں ہے اور ضمیر متکلم بھی خاص ہے تو گویا کہ مہر اللہ کے علم میں مقدر ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا: لا مهر اقل من عشرة تو اس اعتبار سے مہر وجوباً شریعت کا حق ہے۔ (نور الانوار: ص ۲۴)

اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ نے نکاح میں ابتغاء بالمال کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی نکاح ابتغاء بالمال سے خالی نہیں ہوگا اور یہ شریعت کے حق ہی کی وجہ سے ہے ورنہ تو بندے کو اپنے مقبوضہ شئی میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے اور یہاں ہے نہیں۔ بلکہ نفی مہر کے باوجود مہر لازم ہوگا اور یہ وجوباً شریعت کے حق کی ہی تو دلیل ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج): ابراء اور نفی میں فرق یہ ہے کہ ابتداءً کسی چیز کو ساقط کرنا نفی کہلاتا ہے اور انتہاءً ساقط کرنا ابراء کہلاتا ہے۔ (ملخص کنز الدقائق: ص/۱۰۳)

اور نفی مہر اس وجہ سے جائز نہیں کہ تصرف کا اختیار اس شئی میں ہوتا ہے جو اس کا حق ہے اور نفی مہر ابتدءً یہ عورت کا حق ہی نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کا حق ہے اور شریعت کے حق میں تصرف جائز نہیں اس لیے نفی مہر درست نہیں۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۱۴۲)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۴

وَإِذَا خَلاَ الْمَجْبُوبُ بِامْرَأتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالاَ عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ لِأَنَّهُ أَعْجَزُ مِنَ الْمَرِيضِ بِخِلَافِ الْعِنِّينِ لِأَنَّ الْحُكْمَ أُدِيرَ عَلَى سَلاَمَةِ الْآلَةِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَيْهَا التَّسْلِيمُ فِي حَقِّ السَّحقِ وَقَدْ أَتَتْ بِهِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مجبوب اور عنین کی مراد لکھ کر عبارت کی مکمل تشریح کریں۔

(ج): تفریق کی صورت میں مجبوب کی بیوی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی پھر اس کو طلاق دیدی تو عورت کے لیے کمالِ مہر ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ مرد پر نصف مہر واجب ہے، کیونکہ وہ مریض کے مقابلے میں زیادہ عاجز ہے۔ برخلاف عنین کے اس لیے کہ حکم آلہ کی سلامتی پر دائر کیا گیا ہے اور (امام) ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت پر سحق یعنی (رگڑنے) پر قدرت دینا واجب ہے اور وہ اس کو لائی۔

(ب): المراد من المجبوب هو مقطوع الذكر والخصيتين یعنی جس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے ذکر اور خصیتین کاٹ دیئے گئے ہیں۔ (ہدایہ ثانی بین السطور: ص/۳۲۶) وفی فتح القدیر:
المحبوب هو الذی استؤصل ذكره و خصیاه. (فتح القدیر: ج/۳، ص/۳۲۱)
المراد من العنین ہو من لا یقدر علی الجماع مطلقا مع وجود الآلة ☐ و یقدر علی الثیب دون البکر. (ہدایہ ثانی: ص/۳۲۶، حاشیہ نمبر ۱۵)
یعنی وہ شخص جو مطلقا جماع پر قدرت رکھے اور باکرہ ہے سے جماع پر قدرت نہ رکھے اسے عنین کہتے ہیں۔

(ب): **عبارت کی تشریح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی خلوت صحیح ہے یا فاسد تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ خلوت صحیح ہے یعنی اگر مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی اور پھر طلاق دے دی تو عورت کے لیے کامل مہر واجب ہوگا اور یہ خلوتِ صحیحہ کہلائے گی اور صاحبین نے فرمایا کہ یہ خلوت فاسد ہے لہٰذا اگر طلاق دیدی تو نصف مہر واجب ہوگا نہ کہ پورا مہر۔

صاحبین کی دلیل قیاس ہے انہوں نے مقطوع الذکر کو مریض پر قیاس کیا ہے یعنی مقطوع الذکر مریض کے مقابلہ میں زیادہ عاجز ہے کیونکہ مریض کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہوسکتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر خلوت پائی گئی تو نصف مہر ہی واجب نہ ہوگا نہ کہ پورا مہر واجب ہوگا اور مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے پاس آلہ نہیں ہے تو یہاں بدرجۂ اولیٰ نصف مہر واجب ہوگا اور صاحبین فرماتے ہیں کہ عنین اس کے خلاف ہے یعنی اگر عنین نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی تو خلوت صحیح مانی جائے گی اور پورا مہر واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ حکم سلامتِ آلہ پر دائر کیا جاتا ہے اور مقطوع الذکر کا آلہ ہی نہیں ہے پس عنین اور مقطوع الذکر میں فرق واضح ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا کہ عنین کی خلوت، خلوتِ صحیحہ ہے اور مقطوع الذکر کی خلوت، خلوتِ فاسدہ ہے لہٰذا مقطوع الذکر پر نصف مہر واجب ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عورت پر بضع کا سپرد کرنا واجب ہے رگڑ نے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے حق میں اور یہی عورت کی قدرت میں ہے پس عورت پر جو واجب تھا عورت نے اس کو پورا کر دیا لہٰذا مرد پر کامل مہر واجب ہوگا اور خلوت، خلوتِ صحیحہ مانی جائے گی۔

(ج): تفریق کی صورت میں مجبوب کی بیوی پر عدت خلافِ قیاس احتیاطاً اور استحساناً واجب ہوگی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں رحم کے مشغول ہونے کا وہم ہے اور وہم کی بنیاد ہے کہ شاید رگڑنے کی وجہ سے منی بہہ کر رحم میں پہنچ گئی ہو لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ عدت مجبوب کی بیوی پر واجب کر دی جائے۔ (عین الہدایہ: ج۲/ ص۶۵، ہدایہ ثانی: ص/۳۲۶)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۶

وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا مُطَلَّقَةً وَاحِدَةً وَهِيَ الَّتِي طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَقَدْ سَمّٰى لَهَا مَهْرًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَجِبُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا لِهٰذِهِ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ صِلَةً مِنَ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالْفِرَاقِ إِلَّا أَنَّ فِي هٰذِهِ الصُّورَةِ نِصْفَ الْمَهْرِ طَرِيقَةُ الْمُتْعَةِ لِأَنَّ الطَّلَاقَ فَسْخٌ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ وَالْمُتْعَةُ لَا تَتَكَرَّرُ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلقہ عورت میں سے کس کو متعہ دینا واجب ہے اور کس کو مستحب احناف کے نزدیک؟ نیز امام شافعیؒ کا اختلاف بھی تحریر کریں۔

(ج): امام شافعیؒ کی دلیل صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق لکھ کر احناف کی دلیل لکھیں نیز امام شافعیؒ کا جواب بھی تحریر کریں۔

(د): متعہ میں کتنے کپڑے دیئے جائیں گے اور کتنی قیمت کے ہوں گے اس کو بھی سپردِ قرطاس کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: متعہ مستحب ہر مطلقہ کے لیے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عورت ہے جس کو شوہر نے طلاق دی ہو اس سے دخول کرنے سے پہلے اور اس نے اس کے لیے مہر مقرر کر دیا ہو اور امام شافعی نے فرمایا کہ متعہ ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے سوائے اس مطلقہ کے، اس لیے کہ متعہ واجب ہوا ہے شوہر کی جانب سے بطور صلہ کے، اس لیے کہ اس نے عورت کو جدائی کے ذریعہ وحشت زدہ کر دیا ہے مگر اس صورت میں نصف مہر متعہ کا طریق ہے اس لیے کہ طلاق اس حالت میں فسخ ہے اور متعہ مکرر ہوتا نہیں۔

(ب): احناف کے نزدیک دو متعہ دینا مستحب ہے اور ایک کو واجب ہے اور ایک کو نہ مستحب اور نہ واجب اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ: (۱) کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح ہوا اور طلاق قبل الدخول ہوگئی تو متعہ واجب ہے (۲) طلاق قبل الدخول ہوئی اور عقد کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا تو نہ مستحب ہے اور نہ واجب ہے اور (۳) طلاق بعد الدخول ہوئی اور عقد کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو متعہ مستحب ہے (۴) طلاق بعد الدخول ہوئی اور مہر عقد کے وقت مقرر ہو چکا تھا تو متعہ مستحب ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک اس مطلقہ کے لیے جس کو طلاق قبل الدخول ہوئی اور مہر اس کا مقرر نہ ہو، متعہ واجب ہے اور وہ عورت جو مطلقہ غیر مدخول بہا مسمی لہا ہو اس کے لیے نہ مستحب ہے نہ واجب اور مابقی دونوں میں بھی متعہ واجب ہے۔

(ج): امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے اسے طلاق دے کر وحشت زدہ کر دیا، لہٰذا وحشت دور کرنے کے لیے متعہ واجب ہوگا البتہ وہ عورت جو مطلقہ غیر مدخول بہا مسمی لہا ہو اس کے لیے متعہ نہیں ہے کیوں کہ نصف مہر متعہ کے قائم مقام ہے اس لیے طلاق فسخ ہے اس حالت میں کیوں کہ معقود علیہ عورت کی جانب محفوظ طریقہ پر واپس ہو گیا ہے اور اس کا تقاضہ ہے کہ بالکل ہی مہر ساقط ہو جائے، لیکن شریعت نے متعہ کے طریق پر نصف مہر لازم کر دیا اور متعہ مکرر نہیں ہوتا لہٰذا اس مطلقہ کے لیے بھی الگ سے کوئی متعہ نہیں ہوگا بلکہ وہ نصف مہر ہی متعہ کے درجہ میں ہوگا۔ (فتح القدیر حاشیہ: ج ۳/ ص ۳۲۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

احناف کی دلیل یہ ہے کہ متعہ مہر مثل کا خلیفہ ہے مفوضہ میں یعنی جس عورت نے نکاح کیا بغیر مہر کے پھر طلاق قبل الدخول ہوگئی تو مہر مثل ساقط ہوگیا اور متعہ اس کے قائم مقام ہوگیا لہٰذا ایسی عورت کے لیے تو متعہ واجب ہوگا کیونکہ کوئی بھی عقد عوض سے خالی نہیں ہوتا **لقولہ تعالی: ان تبتغوا باموالکم** اور یہ بھی واضح رہے کہ خلف اصل کے ساتھ اور اصل کے جزء کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا جہاں بھی مہر لازم ہوگا خواہ کل ہو یا بعض ہو وہاں متعہ بطریق وجوب نہیں ہوگا۔

(فتح القدیر حاشیہ ص: ۳۲۴-۳۲۵)

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے متعہ کو اس وجہ سے واجب قرار دیا کہ اس نے عورت کو وحشت زدہ کر دیا حالانکہ اس کو وجوب متعہ کی دلیل بنانا درست نہیں ہے اس لیے اس نے بصورت طلاق اپنا وہ حق استعمال کیا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے لہٰذا اپنے حق کے استعال کی وجہ سے اس پر بطور تاوان متعہ واجب نہیں ہوگا، ہاں متعہ دینا تفضّل یعنی استحباب کے قبیل سے ہوگا خود اللہ نے ارشاد فرمایا: "**متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین**"۔

(فتح القدیر حاشیہ: ج ۳/ص ۳۲۵)

(د): متعہ میں تین کپڑے دیئے جائیں گے (۱) کرتہ (۲) اوڑھنی (۳) چادر اور اس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور نصف مہر سے زیادہ نہ ہو۔

ملحوظہ: عبارت میں استثناء اس مطلقہ کا ہے جس کے لیے متعہ نہ مستحب ہے اور نہ واجب۔ اب اگر یہ اعتراض ہو کہ ایک مطلقہ کے لیے تو متعہ واجب ہے اور تُستحبُّ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ مستحب ہے نہ کہ واجب؟ جواب یہ ہے کہ تستحب اس مطلقہ کو شامل نہیں ہے جس کے لیے متعہ واجب ہے کیونکہ مصنف نے اس حکم اس سے پہلی عبارتوں میں بیان کر دیا ہے، دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستحب یہاں پر واجب سے عام ہے لہٰذا استحباب کے کہنے سے وجوب کی نفی نہ ہوگی۔ (فتح القدیر)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۷

وَإِذَا ازَوَّجَ الرَّجُلُ بِنْتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْمُتَزَوِّجُ بِنْتَهُ، أَوْ أُخْتَهُ لِيَكُوْنَ أَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ بَطَلَ الْعَقْدَانِ، لَنَا أَنَّهُ مسمّى مَالَا يَصْلُحُ صَدَاقًا فَيَصِحُّ الْعَقْدُ وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ كَمَا إِذَا سَمّٰى الْخَمَرَ وَالْخِنْزِيْرَ وَلَا شَرِكَةَ بِدُوْنِ الْإِسْتِحْقَاقِ.

(الف): اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔

(ب): مسئلہ کی مکمل وضاحت کریں۔

(ج): ولا شرکۃ بدون الاستحقاق کی وضاحت۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اگر ایک مرد نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ متزوج اپنی لڑکی یا بہن کا اس سے نکاح کردے تا کہ ہر ایک عقد دوسرے عقد کا عوض ہو جائے تو دونوں عقد درست ہیں اور اُن دونوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر مثل ہوگا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں عقد باطل ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کو (مہر) مقرر کیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی چنانچہ عقد صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا جیسے اس نے شراب اور خنزیر مقرر کیا، اور شرکت نہیں ہے استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے۔

(ب): صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً زید نے اپنی بیٹی کا نکاح خالد سے کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ خالد بھی اپنی بیٹی کا نکاح مجھ (زید) سے کردے اور دونوں کا مہر ایک دوسرے کے منافع بضعہ ہیں، احناف کے نزدیک دونوں عقد درست ہو جائیں گے اور بطور مہر کے ''مہر مثل'' واجب ہوگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عورت کا نصف بضعہ تو شوہر کو نکاح کی وجہ سے حاصل ہوا اور آدھا بطور مہر کے دوسری عورت کو حاصل ہوا تو بضعہ میں شرکت پائی گئی اور بضعہ میں شرکت باطل ہے لہٰذا ایجاب بھی باطل ہو جائے گا اور جب ایجاب باطل ہو گیا تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ اس نے نکاح میں بطور مہر کے ایسی چیز مقرر کی ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور جو بھی چیز ایسی ہو جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ باطل ہو جاتی ہے اور نکاح درست ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ہوگا، جیسے کسی نے شراب یا خنزیر کو مہر بنا دیا تو اس صورت میں نکاح درست ہو جائے گا البتہ یہ چیزیں مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو ان کا مہر مقرر کرنا باطل ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

(ج): ولا شركة بدون الاستحقاق کی وضاحت: یہ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بضعہ میں جب مہر بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو شرکت بھی متحقق نہ ہوگی کیونکہ عورت کے منافع بضعہ کسی دوسری عورت کے مملوک نہیں ہوتے تو یہ شرط فاسد کے درجہ میں ہوگی اور نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا نکاح صحیح ہوگا۔

(فتح القدیر: ص/۳۲۶)

نوٹ: اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں اور یہ شغور سے مشتق ہے جس کے معنی رفع اور خالی کرنے کے آتے ہیں چونکہ انہوں نے اس شرط کی وجہ سے مہر ختم کر دیا اسے شغار کہا گیا، چونکہ اس کا بضعہ مہر سے خالی ہے اس لیے شغار نام رکھا گیا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۹

وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ إِنْ أَقَامَ بِهَا وَعَلَى أَلْفَيْنِ إِنْ أَخْرَجَهَا، فَإِنْ أَقَامَ بِهَا فَلَهَا الأَلْفُ وإِنْ أَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ المِثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى أَلْفَيْنِ وَلَا يُنْقَصُ عَنِ الأَلْفِ وَهٰذا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: الشَّرْطَانِ جَمِيعًا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جَائِزَانِ حَتّٰی كَانَ لَهَا الْأَلْفُ إِنْ أَقَامَ بِهَا وَالْأَلْفَانِ إِنْ أَخْرَجَهَا، وَقَالَ زُفَرُ: الشَّرْطَانِ جَمِيْعًا فَاسِدَانِ وَيَكُوْنُ لَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): صورتِ مسئلہ کی تشریح کرکے علماء احناف کا اختلاف لکھیں اور ہر ایک کی دلیل تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر اس نے عورت سے نکاح کیا ایک ہزار پر اگر وہ عورت کو مقیم رکھے اور دو ہزار پر اگر اس کو (شہر) سے نکالے پھر اگر اس نے عورت کو مقیم رکھا تو عورت کے لیے ایک ہزار ہوگا اور اگر اسے نکالا تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا جو دو ہزار زائد نہ ہو اور نہ ایک ہزار سے کم ہو اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں شرطیں درست ہیں حتی کہ عورت کے لیے ایک ہزار ہوگا اگر اس نے اسے مقیم رکھا اور دو ہزار ہوگا اگر اس نے اس کو نکالا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور عورت کے لیے مہر مثل ہوگا۔

(ب): **تشریح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے عورت سے نکاح کیا اس شرط پر کہ اگر وہ اسے اس شہر سے نہ نکالے بلکہ وہیں مقیم رکھے تو اس کا مہر ایک ہزار درہم ہوگا اور اگر اسے شہر سے نکالے تو دو ہزار درہم ہوگا، تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر نے مقیم رکھا تو ایک ہزار سے زائد بیوی کو ملیں گے اور اگر اس نے بیوی کو شہر سے باہر لے گیا تو مہر مثل ہوگا جو نہ دو ہزار سے زائد ہوگا اور نہ ایک ہزار سے کم، مثلاً مہر مثل نوسو درہم ہیں او اس کو پورا ایک ہزار دیا جائے گا اور اگر ایک ہزار اور دو ہزار کے درمیان ہے تو وہی واجب ہوگا اور اگر پچیس ہزار درہم ہے تو دو ہزار درہم دیا جائے گا۔

(عین الہدایہ: ج ۲، ص ۷۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور صاحبین کے نزدیک ہر صورت میں مقرر کردہ مہر ملے گا اگر مقیم رکھا تو ایک ہزار اور اگر نکالا تو دو ہزار۔ اور امام زفر کے نزدیک ہر صورت میں مہر مثل ہوگا جو نہ ایک ہزار سے کم ہو اور نہ دو ہزار سے زائد ہو۔

امام زفر کی دلیل: یہ ہے کہ دونوں مسمّٰی باطل ہیں اس وجہ سے کہ شوہر نے ایک شئی یعنی بضع کے عوض میں دو مختلف بدل مقرر کئے ہیں اور وہ ہزار اور دو ہزار ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ مقیم رکھے گا تا کہ ہزار واجب ہو اور نہ یہ معلوم ہے کہ نکالے گا تا کہ دو ہزار واجب ہو تو گویا کہ تسمیہ مجہول ہے اور جب تسمیہ مجہول ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔ (حاشیہ ہدایہ: ص/۳۲۹، بنایہ: ج/۵، ص/۱۶۷، فتح القدیر: ص/۳۳۶)

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں درست ہیں اور ہر ایک تسمیہ ہر ایک صورت کے مقابلے میں ہے پس جو صورت متحقق ہوگی اسی صورت کا مقرر مہر واجب ہو جائے گا۔

(حاشیہ ہدایہ، بنایہ: ص/۱۶۷، فتح القدیر: ص/۳۳۶)

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ پہلی شرط درست ہے کیونکہ اس میں جہالت نہیں ہے لہٰذا عقد اسی سے متعلق ہو جائے گا لیکن دوسری شرط صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے جہالت پیدا ہوگئی ہے اور جہالت کی صورت میں مہر مثل ہوتا ہے لہٰذا دوسری صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۱۶۷، فتح القدیر حاشیہ: ص/۳۳۶)

ہدایہ ثانی: ص ۳۲۹

وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ أَوْ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ فَإِذَا أَحَدُهُمَا أَوْكَسُ وَالآخَرُ أَرْفَعُ فَإِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا أَقَلَّ مِنْ أَوْكَسِهِمَا فَلَهَا الْأَوْكَسُ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْفَعِهِمَا فَلَهَا الْأَرْفَعُ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَهَا الْأَوْكَسُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهِ. فَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الْأَوْكَسِ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهِ بِالْإِجْمَاعِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔
(ب): صورت مسئلہ کی شرح کر کے علماء احناف کا اختلاف لکھیں اور ہر ایک کی دلیل تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر عورت سے نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر۔ پس ان دونوں میں سے ایک گھٹیا ہے اور دوسرا عمدہ ہے۔ پس اگر عورت کا مہر مثل ان دونوں میں کے اوکس سے کم ہے تو اس عورت کے لیے اوکس ہوگا۔ اور مہر مثل ان دونوں کے ارفع سے زائد ہے۔ تو عورت کے لیے ارفع ہوگا۔ اور اگر مہر مثل ان دونوں کے درمیان ہے تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا۔ عورت کے لیے ان تمام صورتوں میں اوکس ہوگا۔ پس اگر شوہر نے اس عورت کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دیدی تو عورت کے لیے ان تمام صورتوں میں اوکس کا نصف ہوگا بالاتفاق۔

(ب): **تشریح**: مع اختلاف علماء الاحناف والدلائل: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو غلام سامنے موجود ہیں ان میں سے ایک کی قیمت کم ہے اور دوسرے کی قیمت زیادہ ہے۔ مثلاً ایک کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور دوسرے کی قیمت دو ہزار روپئے ہیں۔ پس شوہر نے بغیر متعین کئے ہوئے ان دونوں غلاموں سے ایک کو بیوی کے لیے مہر مقرر کر دیا اور بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو مہر میں یہ غلام دونگا۔ یا یہ غلام دوں گا۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے مہر مثل کو دیکھا جائے گا کہ آیا اس کا مہر مثل اوکس یعنی جس غلام کی قیمت ایک ہزار ہے اس سے کم ہے یا مہر مثل اس کے برابر ہے۔ یا عورت کا مہر مثل ارفع یعنی جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے اس سے زائد ہے۔ یا اوکس اور ارفع کے بیچ بیچ ہے۔ پس اگر مہر مثل اوکس سے کم یا برابر ہے تو اس صورت میں عورت کے لیے اوکس غلام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوگا اور اگر مہر مثل ارفع غلام کے برابر ہو یا اس سے زائد ہے تو اس صورت میں عورت کے لیے ارفع غلام ہوگا۔ اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہے تو اس صورت میں عورت کے لیے ارفع غلام ہوگا۔ اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہے تو اس صورت میں عورت کے لیے مہر مثل ہوگا۔ اور اس مسئلے میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ تمام صورتوں میں یعنی چاہے مہر مثل اوکس سے کم ہو یا ارفع سے زائد ہو یا دونوں کے درمیان میں ہو ہر صورت میں عورت کے لیے اوکس یعنی گھٹیا غلام ہوگا۔ البتہ اگر شوہر نے اس عورت کو دخول سے پہلے طلاق دیدی تو بالاتفاق تمام صورتوں میں عورت کو اوکس کا نصف دیا جائے گا اس میں امام صاحب اور صاحبین دونوں متفق ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دلائل سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ بدلِ بضع میں موجب اصلی کیا ہے؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ موجب مہر مسمّٰی ہے۔ پس جب تک مہر مسمّٰی کا واجب کرنا ممکن ہے مہر مثل کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا۔ اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ موجب اصلی مہر مثل ہے۔ کیونکہ مہر مثل ہی بضع کا مساوی ہے کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر مثل منافعِ بضع کی قیمت ہے اور شئی کی قیمت کمی اور زیاتی کو قبول نہیں کرتی ہے برخلاف مہر مسمّٰی کے کہ وہ کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا امام صاحب کے نزدیک مہر مثل سے مہر مسمّٰی کی طرف عدول اس وقت ہوگا جب کہ تسمیہ صحیح ہو ورنہ امام صاحب کے نزدیک عدول نہیں کیا جائے گا۔

اب صاحبین کی دلیل ملاحظہ فرمائیں: دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مہر مثل کی طرف عدول اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ مہر مسمّٰی کا واجب کرنا متعذر ہو اور یہاں غلام اوکس کا واجب کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ غلام اوکس اقل ہے قیمت میں۔ اور اقل متعین ہوتا ہے۔ لہٰذا اس متعین کو واجب کردیں گے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اس غلام پر یا اس غلام پر۔ یا مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تجھے آزاد کیا اس غلام پر یا اس غلام پر۔ ان دونوں مسئلوں میں اوکس متعین ہے۔ لہٰذا مسئلہ مہر میں بھی اوکس غلام متعین ہوگا۔ (ہدایہ ثانی: ص/۳۳۰)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اصلی مہر مثل ہے اور مہر مثل سے عدول اس وقت ہوگا جبکہ تسمیہ صحیح ہو اور یہاں دونوں غلاموں میں تردد اور شک کی وجہ سے جہالت پیدا ہوگئی۔ پس اس جہالت کی وجہ سے تسمیہ فاسد ہوگیا لہٰذا مہر مسمّٰی واجب نہیں ہوگا۔ (ہدایہ ثانی: ص ۳۳۰)

اور صاحبین نے جو اعتاق اور خلع پر قیاس کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بدل کے سلسلے میں ان دونوں کے لیے کوئی موجب اصلی نہیں ہے لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہوگا۔ رہی یہ بات کہ جب امام صاحب کے نزدیک مہر مثل اصل ہے تو مہر مثل چاہے اوکس سے کم یا ارفع سے زائد ہو یا دونوں کے درمیان ہو تینوں حالتوں میں مہر مثل واجب ہونا چاہیے حالانکہ امام صاحب اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکم تو یہی ہے لیکن جس وقت مہر مثل ارفع سے زائد ہے تو عورت اپنے مہر مثل سے کم کرنے پر راضی ہوگئی اور اگر مہر مثل اوکس سے کم ہے تو شوہر مہر مثل پر زیادتی کے لیے راضی ہوگیا۔ پس ہم نے ان دونوں کی رضامندی پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ اگر مہر مثل اوکس سے کم ہے تو اوکس غلام واجب ہوگا اور اگر مہر مثل ارفع سے زیادہ ہے تو ارفع واجب ہوگا اور اگر دونوں کے درمیان میں ہے تو مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر طلاق قبل الدخول ہوگئی تو سب کے نزدیک اوکس کا نصف ہوگا بہر حال صاحبین کے نزدیک تو وہ بالکل ظاہر ہے کیوں کہ ان کے نزدیک بعد الدخول اوکس واجب ہوگا پس قبل الدخول نصف اوکس ہوگا۔

اور امام صاحب کے نزدیک اصل یہی ہے کہ متعہ واجب ہو کیوں کہ بعد الدخول مہر مثل واجب ہے لیکن نصف اوکس اس لیے واجب ہوگا کیوں کہ عموماً متعہ نصف اوکس سے کم ہی ہوتا ہے۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۳۲

وَإِذَا فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا، لِأَنَّ الْمَهْرَ فِيهِ لَا يَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ لِفَسَادِهِ، وَإِنَّمَا يَجِبُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بِاسْتِيْفَاءِ مَنَافِعِ الْبُضْعِ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَا يُزَادُ عَلَى الْمُسَمّٰى عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ هُوَ يَعْتَبِرُ بِالْبَيْعِ الْفَاسِدِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیں کہ اگر خلوت کے بعد قاضی نے زوجین میں تفریق کردی تو مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ مدلل لکھیں۔

(ج): امام زفرؒ کی دلیل کی تفصیل مع اس کے جواب لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب قاضی نے زوجین کے درمیان تفریق کردی نکاح فاسد میں دخول سے پہلے تو عورت کے لیے مہر نہیں ہوگا اس لیے مہر نکاح فاسد میں محض عقد سے واجب نہیں ہوتا عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور مہر منافع بضع کے حاصل کر لینے سے ہی واجب ہوتا ہے پھر اگر اس نے عورت کے ساتھ دخول کرلیا تو اس کے لیے مہر مثل ہوگا اور اسے مسمّی سے زائد نہیں کیا جائے گا ہمارے نزدیک، برخلاف امام زفرؒ کے، وہ بیع فاسد پر قیاس کر تے ہیں۔

(ب): عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے نکاح فاسد کیا مثلاً آزاد عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا یا چوتھی عورت کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا وغیرہا، اور ابھی دخول نہیں ہوتھا ہ قاضی نے تفریق کردی تو عورت کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ نکاح فاسد میں مہر فقط دخول سے واجب ہوتا ہے ”لقوله عليه السلام ايما امرءة نكحت نفسها بغير اذن وليها فنكاحها باطل فان دخل بها فلها المهر بها استحل من فرجها،، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح باطل میں دخول سے مہر واجب ہوگا نہ کہ محض عقد اور خلوت سے۔

(فتح القدیر: ج ۳، ص ۳۴۷)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اسی طرح اگر تفریق خلوت کے بعد ہو تب بھی مہر واجب نہ ہوگا اس لیے کہ اس خلوت میں دخول پر قدرت حاصل نہیں ہے مانع شرعی کی وجہ سے اور وہ یہ کہ شریعت نے ایسے نکاح میں وطی کو حرام کیا ہے۔ لہٰذا یہ خلوت وطی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی بلکہ یہ خلوت ایسی ہوگئی جیسے حائضہ عورت کے ساتھ خلوت ہو۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۱۸۰)

فان دخل: لیکن اگر اس نے عورت کے قُبُل میں وطی کرلی تو ہمارے نزدیک عورت کے لیے ایسا مہر مثل ہوگا جو مسمّٰی سے زائد نہ ہو بر خلاف امام زفرؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ مطلق مہر مثل واجب ہوگا خواہ مسمّٰی سے کم ہو یا زیادہ اور وہ اسے بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں کہ مثلاً مشتری نے بائع سے بیع فاسد میں غلام خرید لیا اور چونکہ یہ بیع فاسد ہے اس لیے مشتری پر غلام لوٹانا ضروری تھا لیکن لوٹانے سے قبل مشتری نے اسے تلف کردیا تو اب مبیع کے لوٹانے سے عاجز ہونے کی وجہ سے مشتری پر اس غلام کی قیمت لازم ہوگی خواہ وہ قیمت آپس میں متعین کئے ہوئے ثمن سے زیادہ یا کم اسی طرح نکاح فاسد میں بھی مہر مثل ہوگا خواہ مسمّٰی سے زائد ہو یا کم۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۱۸۱)

ہماری دلیل: یہ ہے کہ منافع بضع مال نہیں ہے لیکن نکاح کے وقت مہر کے ذکر کی وجہ سے متقوم ہوگیا پھر جب مسمّٰی مہر مثل سے زیادہ ہوگیا تو زیادتی واجب نہیں ہے کیونکہ مہر مثل سے زیادہ کا تسمیہ درست نہیں لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا اور زیادتی ساقط ہوجائے گی۔ اور اگر تسمیہ مہر مثل سے کم ہوگیا تو مسمّٰی ہی واجب ہوگا اس سے زیادہ واجب نہ ہوگا کیونکہ مہر مثل اور مسمّٰی کے درمیان جو مقدار ہے اس میں تسمیہ نہیں پایا گیا اس لیے تسمیہ سے زیادہ درست نہ ہوگا اور اس لیے بھی کہ وہ عورت مہر مثل سے کم پر راضی ہے لہٰذا تسمیہ سے زیادہ کا حق ساقط ہوجائے گا۔ (حاشیہ ہدایہ: ص/۳۳۲، فتح القدیر: ج/۳، ص/۳۴۷)

(ج): امام زفر کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا بیع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ بیع فاسد کے اندر عوض فی نفسہ مال ہے لہٰذا اس کا اندازہ قیمت سے لگایا جائے گا خواہ کتنی بھی قیمت ہوجائے بالغاً ما بلغ، اور نکاح فاسد کے اندر عوض ایسی شئی ہے جو فی نفسہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ماں نہیں ہے یعنی منافع بضع، تو دونوں مسئلے ہی جدا جدا ہیں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ (بنایہ: ص/۱۸۲، ج:۵)

ہدایہ ثانی: ص: ۳۴۳

وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمِّهَا لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍؓ لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ فِيهِ وَلَا شَطَطَ وَهُنَّ أَقَارِبُ الْأَبِ وَلِأَنَّ الْإِنْسَانَ مِنْ جِنْسِ قَوْمِ أَبِيهِ وَقِيمَةُ الشَّيْئِ إِنَّمَا تُعْرَفُ بِالنَّظْرِ فِي قِيمَةِ جِنْسِهِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے دلیل عقلی اور مسئلہ کی مکمل تشریح کریں۔

(ج): ماں اور خالہ کے نہایت قریبی رشتہ دار ہونے کے باوجود مہر مثل کے بارے میں ان کا اعتبار کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور عورت کے مہر مثل کو اس کی بہنوی اور اس کی پھوپھیوں اور اس کی چچا کی لڑکیوں پر قیاس کیا جائے گا ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ (ایسی) عورت کا (مہر جو مفوضہ ہے) اس کی عورتوں کا مہر مثل ہے، نہ اس میں کمی ہے اور نہ زیادتی ہے اور یہ عورتیں اس عورت کے باپ کے اقارب ہیں اور اس لیے کہ انسان اپنے باپ کی قوم کی جنس سے ہوتا ہے اور شئی کی قیمت اس کی جنس کی قیمت دیکھ کر پہچان جاتی ہے۔

(ب): اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر مثل کے اندر ہمارے نزدیک باپ کے خاندار کی عورتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے ترتیب کے مطابق۔ (فتح القدیر: ج/۳، ص/۳۵۰)
مثلاً اول نمبر پر حقیقی بہنوں کا مہر دیکھا جائے گا پھر باپ شریک پھر حقیقی پھوپھی پھر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

باپ شریک پھر چچازاد بہنیں الیٰ آخرہ۔ (عین الہدایہ: ج۲،ص۸۰) لیکن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ماں کا اعتبار کیا جائے گا۔

ہمارے نزدیک: باپ کی اقارب عورتوں کے اعتبار کرنے پر دلیل ابن مسعودؓ کا وہ فیصلہ ہے جو آپ نے ایسی عورت کے بارے میں دیا جو مفوضہ تھی اور اس کا شوہر مر چکا تھا کہ اس عورت کو اس کی عورتوں کے مہر کے مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ، اور ابن مسعودؓ کے قول نساء سے مراد باپ کی خاندان کی عورتیں ہیں کیونکہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے۔

دلیل عقلی: یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کی قوم کی جنس سے ہوتا ہے، ماں کی قوم کی جنس سے نہیں ہوتا اسی لیے باندی کے لڑکے کو خلیفہ بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ باپ قریشی ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا اعتبار ہوتا ہے اور نسب باپ کے اعتبار سے ہوتا ہے یہ ایک مقدمہ ہوا۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ شئی کی قیمت اس شئی کی جنس کی قیمت دیکھ کر پہچانی جاتی ہے لہٰذا عورت کے مہر کو بھی اس کے باپ کی اقارب عورتوں کے مہر سے پہچانا جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

(ج): ماں اور خالہ کا اعتبار نہیں ہوگا کیوں کہ عورت کے مہر کو جانا جائے گا اس کی جنس کی عورتوں کے مہر کو دیکھ کر اور ماں اور خالہ اس کی جنس کی عورتیں نہیں ہیں بلکہ اس کی جنس کی عورتیں تو باپ کے اقارب عورتیں ہیں مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن، نہ کہ خالہ اور ماں اس وجہ سے مہر مثل کے بارے میں ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ہدایہ ثانی: ص:۳۳۷

وَمَنْ بَعَثَ إِلٰى اِمْرَأَتِهٖ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ الزَّوْجُ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِأَنَّهٗ هُوَ الْمُمَلِّكُ فَكَانَ أَعْرَفَ بِجِهَةِ التَّمْلِيْكِ كَيْفَ وَأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهٗ يَسْعٰى فِيْ إِسْقَاطِ الْوَاجِبِ إِلَّا فِي الطَّعَامِ الَّذِيْ يُؤْكَلُ فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهَا وَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَكُوْنُ مُهَيَّأً لِلْأَكْلِ لِأَنَّهٗ يُتَعَارَفُ هَدِيَّةً فَأَمَّا فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِمَا بَيَّنَّا.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب لکھیں مذکورہ مسائل کو دلائل سے سمجھائیں۔

(ج): حنطہ اور شعیر کی شکل میں شوہر کا قول کیوں معتبر ہوگا مدلل لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور جس شخص نے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی تو بیوی نے کہا وہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا کہ وہ مہر ہے تو قول شوہر کا قول ہے اس لیے کہ وہ مالک بنانے والا ہے، پس وہ مالک بنانے کی جہت سے زیادہ واقف ہے کیسے (شوہر کا قول معتبر نہیں ہوگا) جب کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ واجب کو ساقط کرنے کی کوشش کرے گا مگر اس کھانے میں جسے کھایا جاتا ہے عورت کا قول معتبر ہوگا اور مراد طعام سے وہ کھانا ہے جو کھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو کیونکہ وہ ہدیہ کے طور پر متعارف ہے بہر حال گیہوں اور جو میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

(ب): مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کوئی چیز دی اور بیوی نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے لیکن شوہر نے کہ نہیں، بلکہ میں نے اسے مہر کی نیت سے دیا ہے تو شہر کا قول کا معتبر ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ وہ (شوہر) اس شئی کا مالک ہے اور اسے اس بات کا زیادہ علم ہے کہ اس نے کس اعتبار سے اسے مالک بنایا ہے، ہدیہ کے اعتبار سے یا مہر کے اعتبار سے چنانچہ جب اس نے کہا کہ مہر کے اعتبار سے دیا ہے تو اسی کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور کیوں نہ معتبر ہو حالانکہ ظاہراً آدمی سب سے پہلے اپنے ذمہ سے ادائیگی کی کوشش کرتا ہے نہ کہ ذمہ کو چھوڑ کر تبرع اور احسان کرنے لگے، البتہ اگر وہ کھانے والی شئی ہے اور زیادہ دن تک باقی نہیں رہتی مثلاً بھنی ہوئی مرغی، بھنا ہوا گوشت، حلوہ وغیرہ تو اس صورت میں بیوی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: یہ ہے کہ ایسے کھانے کو عموماً ہدیہ کے طور پر ہی دیا جاتا ہے تو گویا ظاہر حال عورت کی تائید کر رہا ہے اس لیے اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔

(ج): اگر تیار کیے ہوئے کھانے کے قبیل سے نہیں ہے اور زیادہ دن تک باقی رہ سکتا ہے مثلاً گیہوں جو، زندہ بکری، آٹا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

دلیل: یہ ہے کہ ظاہر حاصل شوہر کی تائید کر رہا ہے کیوں کہ ایسا کھانا عموماً ہدیہ نہیں دیا جاتا اور آدمی سب سے پہلے ذمہ کو فارغ کرتا ہے جو ذمہ میں ہوتی ہے سب سے پہلے اس سے فارغ ہونا چاہتا ہے پھر تبرع اور احسان میں لگتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۳۸

فَإِنْ تَزَوَّجَ الذِّمِّيُّ ذِمِّيَّةً عَلٰى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا فَلَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيْرُ وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَا بِأَعْيَانِهِمَا وَالْإِسْلَامُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَإِنْ كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا فَلَهَا فِي الْخَمْرِ الْقِيْمَةُ وَفِي الْخِنْزِيْرِ مَهْرُ الْمِثْلِ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَؒ لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب کی وضاحت کیجیے۔

(ج): شراب کے متعین اور غیر متعین ہونے میں امام صاحب کے فرق کی وجہ بیان کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اگر ذمی نے ذمیہ سے شراب پر یا خنزیر پر نکاح کیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے یا ان دونوں میں سے ایک مسلمان ہو تو اس عورت کے لیے شراب وخنزیر ہوگا، اس کا معنی یہ ہے کہ حکم اس وقت ہے جب شراب یا خنزیر متعین ہو، اور اسلام لانا قبضہ سے پہلے ہو اور اگر دونوں غیر متعین ہوں تو عورت کے لیے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شراب میں قیمت ہے اور خنزیر میں مہر مثل ہوگا ہی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور ابویوسفؒ نے فرمایا کہ عورت کے لیے دونوں صورتوں میں مہر مثل ہے۔

(ب): **تشریح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی ذمی نے ذمیہ سے متعین شراب یا متعین خنزیر پر نکاح کیا پھر مہر پر قبضہ سے پہلے دونوں مسلمان ہو گئے یا ایک مسلمان ہوا تو امام صاحب کے نزدیک متعین شراب اور متعین خنزیر ہی بطور مہر کے واجب ہوگی اور اگر غیر متعین شراب یا خنزیر پر نکاح کیا پھر قبضہ سے پہلے دونوں یا ایک اسلام لے آیا تو شراب کی صورت میں قیمت واجب ہوگی اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا امام صاحب کے نزدیک یہ مسئلہ ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں یعنی شراب و خنزیر متعین کیا ہو یا نہ کیا ہو مہر مثل ہی واجب ہوگا اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعیؒ و مالک اور احمدؒ کا بھی ہے۔ (فتح القدیر: ج/۳، ص/۲۶۶)

(ج): شراب کے متعین اور غیر متعین کی صورت میں فرق اس وجہ سے ہے کہ جب اس نے شراب متعین کر دیا تو عقد نکاح سے اس پر ملکیت بھی ثابت ہوگی لیکن قبضہ سے پہلے اسلام لے آئے تو اب نکاح کے بعد وہ قبضہ کر لے گی اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

لیکن جب شراب غیر متعین تھی اور قبضہ سے پہلے اسلام لے آئے تو اب قبضہ ملکیت کو ثابت کریگا کیونکہ غیر متعین کی صورت میں نفس عقد سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی اور اسلام کی حالت میں شراب پر ثبوت ملکیت ممنوع ہے لہٰذا قیمت واجب ہوگی شراب نہیں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ اسلام کے بعد شراب و خنزیر پر ثبوت ملکیت ممنوع ہے قبضہ ممنوع نہیں ہے۔ فتکفر فیه

ہدایہ ثانی: ص/۳۳۹

وَلَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوزُ لِلْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ الطَّلَاقَ فَيَمْلِكُ النِّكَاحَ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ وَلِأَنَّ فِي تَنْفِيذِ نِكَاحِهِمَا تَعْيِيبُهُمَا إِذِ النِّكَاحُ عَيْبٌ فِيهِمَا فَلَا يَمْلِكَانِهِ بِدُونِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا.

(الف): ترجمہ اور مطلب لکھیں۔

(ب): غلام اور باندی کے لیے نکاح کو کس دلیل سے عیب قرار دیا گیا ہے۔

(ج): امام مالک کے قیاس کا جواب بھی تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: غلام اور باندی کا نکاح جائز نہیں ہے مگر دونوں کے مولیٰ کی اجازت سے (جائز ہے) اور امام مالک نے فرمایا غلام کے لیے (نکاح کرنا) جائز ہے اس لیے کہ وہ طلاق کا مالک ہوتا ہے لہٰذا نکاح کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جس غلام نے بھی اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ زنا کرنے والا ہے اور اس لیے کہ ان دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے میں دونوں کو عیب دار بنانا ہے چونکہ نکاح ان دونوں میں عیب ہے لہٰذا دونوں اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کے مالک نہیں ہوں گے۔

توضیح: احناف کے نزدیک غلام اور باندی کا نکاح کے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا بلکہ ان کی اجازت پر موقوف ہوگا، امام مالک علیہ الرحمہ کا باندی کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ غلام کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اس کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر نافذ ہو جائے گا۔ (فتح القدیر: ج ۳/ص ۳۶۹)

نوٹ: عبارت میں لایجوز، لاینفذ کے درجہ میں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ غلام چونکہ طلاق کا مالک ہوتا ہے لہٰذا نکاح کا بھی مالک ہوگا اس لیے کہ طلاق نام ہے ازالہ نکاح کا، اور ازالۂ نکاح تقاضا کرتا ہے وجود نکاح کا، تو جب وہ ازالۂ طلاق کا مالک ہے جو کہ مسبب ہے تو سبب کا بھی مالک ہوگا اور وہ نکاح ہے۔ (حاشیہ ہدایہ)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہماری دلیل نقلی: حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس غلام نے بغیر اذنِ مولیٰ کے نکاح کیا تو وہ زانی ہے، اور یہ حدیث حسن ہے۔
(فتح القدیر: ج ۳/ص ۳۶۹)

عقلی دلیل: یہ ہے کہ ان دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے کی صورت میں ان دونوں میں عیب پیدا کرنا ہے اس لیے کہ نکاح ان دونوں میں عیب ہے اور مولیٰ کی ملکیت میں بغیر اس کی رضامندی کے عیب پیدا کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(ب): غلام اور باندی کا نکاح عیب ہے: غلام میں عیب اس وجہ سے ہے کہ غلام کی مالیت اور نفقہ میں محبوس کر جائے گی کیوں کہ نکاح کی وجہ سے غلام پر بیوی کا نفقہ اور سکنی واجب ہوگا۔

اور باندی میں عیب اس لیے ہے کہ نکاح کی وجہ سے اس باندی سے مولی کا استمتاع کرنا حرام ہوگا اور یہ سب مولی کے مال میں بصرف بالفساد ہے لہٰذا بغیر اذن کے نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر: ج ۳/ص ۳۷۰)

(ج): امام مالک کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ غلام طلاق کا مالک اس وجہ سے ہے کہ طلاق دفع ضرر سے اثبات ضرر یعنی نکاح مالک ہونا لازم نہیں آتا مثلاً زہر کا علاج کرنے کا تو مالک ہے لیکن زہر کے کھانے کا اختیار نہیں ہے۔ (فتح القدیر: ج ۳/ص ۳۶۹)

نوٹ: اور طلاق دفع ضرر اس لیے ہے کہ نکاح کی وجہ جو عیب غلام میں پیدا ہو گیا ہے طلاق اس کو ختم کرنے والا ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۳۹

وَلَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوزُ لِلْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ الطَّلَاقَ فَيَمْلِكُ النِّكَاحَ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ وَلِأَنَّ فِي تَنْفِيذِ نِكَاحِهِمَا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تَعْيِيْبُهُمَا إِذِالنِّكَاحُ عَيْبٌ فِيهِمَا فَلَا يَمْلِكَانِهِ بِدُوْنِ مَوْلَاهُمَا وَإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِإِذْنِ مَولاهُ فَالْمَهرُ دِيْنٌ فِيْ رَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): نکاح عبد کے بارے میں امام مالکؒ کا مذہب اوران کی دلیل اس طرح تحریر کریں کہ طلاق کے مالک ہونے سے نکاح کا مالک ہونا سمجھ میں آجائے۔

(ج): احناف کی عقلی دلیل اور غلام کے دینِ مہر میں بیچے جانے کی دلیل لکھئے۔

الجواب

(الف): ترجمہ: غلام اور باندی کا نکاح جائز نہیں ہے مگر ان دونوں کے مولی کی اجازت سے۔اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ غلام کے لیے جائز ہے اس لیے کہ غلام طلاق کا مالک ہے لہٰذا نکاح کا بھی مالک ہوگا۔اور ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے فرمایا ''جس غلام نے بغیر اپنے مولی کی اجازت کے نکاح کیا وہ زانی ہے''۔اور اس لیے کہ ان دونوں کے نکاح کو نافذ کرنے میں دونوں کو عیب دار بنایا ہے، کیوں کہ نکاح دونوں میں عیب ہے، پس وہ دونوں اپنے مولی کی اجازت کے بغیر اس (نکاح) کے مالک نہیں ہوں گے، اور جب غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا تو مہر غلام کے رقبہ میں دین ہوگا۔اس دین کے بدلے میں غلام کو فروخت کیا جائے گا۔

(ب): نکاح عبد کے بارے میں امام مالکؒ کا مذہب اوران کی دلیل: غلام کے نکاح کے بارے میں امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ غلام کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر جائز ہے یہاں جائز سے مراد نافذ یعنی آقا کی اجازت کے بغیر نافذ ہوجائے گا آقا کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا۔ان کی دلیل یہ ہے کع غلام طلاق کا مالک ہے، اور جو شخص طلاق کا مالک ہوتا ہے وہ نکاح کا بھی مالک ہوتا ہے کیوں کہ طلاق سبب نکاح کی وجہ سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے یعنی آدمی طلاق کا مالک اسی وقت ہوگا جب کہ نکاح پایا جائے گا، اور جو شخص کسی چیز کا مالک ہوگا وہ اس کے سبب موصل الیہ کا بھی ہوگا۔ لہٰذا غلام جب طلاق کا مالک ہے تو اس کے سبب یعنی نکاح کا بھی مالک ہوگا۔

اسی دلیل: کو دوسری طرح سمجھ لیجیے کہ غلام طلاق کا مالک ہے۔ اور طلاق کہتے ہیں ازالۂ نکاح کو اور ازالۂ نکاح کا تقاضا کرتا ہے وجودِ نکاح کا تو جب وہ ازالۂ طلاق کا مالک ہے ج کہ مسبب ہے تو سبب کا بھی مالک ہوگا اور وہ نکاح ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ثانی)

نوٹ: عبارت میں لا یجوز، لا نیفذ کے درجہ میں ہے۔

(فتح القدیر: ج۳/ص۳۶۹)

(ج): احناف کی عقلی دلیل: غلام اور باندی کے نکاح کا مولیٰ کی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غلام اور باندی کے نکاح کو نافذ کرنے میں ان دونوں کو عیب دار بنانا ہے اور غلام و باندی کے حق میں نکاح عیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے غلام یا باندی خریدی پھر اس کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں شادی شدہ یعنی ان کا نکاح ہو گیا ہے تو مشتری کے لیے خیارِ عیب کی وجہ سے لوٹانے کا حق رہے گا۔ اور مولیٰ کی حق کی رعایت کرتے ہوئے غلام اور باندی کے لیے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر عیب پیدا کریں۔ پس وہ دونوں مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کے مالک نہیں ہوں گے۔ غلام کے دینِ مہر میں بیچے جانے کی دلیل یہ ہے کہ دین مہر واجب ہوا ہے غلام کے رقبہ میں اور ہر وہ دین جو غلام کے رقبہ میں واجب ہوتا ہے غلام کو اس دین میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس غلام کو بھی دین مہر ادا کرنے کے لیے فروخت کر دیا جائے گا اور نفسِ وجوب کی دلیل یہ ہے کہ سبب وجوب جو کہ نکاح ہے اس کے اہل یعنی عاقل بالغ سے صادر ہوا ہے، اور مانعِ نکاح یعنی مولیٰ کا حق اس کے اجازت دینے کی وجہ سے منتفی ہو گیا۔ اور مہر کے غلام کے رقبہ میں واجب ہونے کی وجہ آقا کا اجازت دینا ہے، اور اصحاب دیون یعنی عورتوں سے مضرتوں کا دور کرنا ہے۔ کیوں کہ غلام اگر کمائی کر کے ادا کرے تو قرض خواہوں یعنی مہر کی حقدار

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عورتوں کو بتدریج تھوڑا تھوڑا وصول ہونے میں ضرر لاحق ہوگا لہٰذا غلام کو بیچ کر یکبارگی ادا کیا جائے گا۔ جس طرح دیونِ تجارت میں عبد ماذون کو فروخت کر دیا جاتا ہے، یعنی اگر مولیٰ نے اپنے کسی غلام کو تجارت کی اجازت دی اور اس نے خرید وفروخت میں سودا گروں سے ادھار مال خریدے حتیٰ کہ اس پر قرضہ چڑھ گیا تو قرض خواہوں کا حق اس غلام کی گردن میں ہے وہ اس کو فروخت کرادیں، اسی طرح بیوی کے مہر کو ادا کرنے کے لیے بھی غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ (عین الہدایہ: ج/۳، ص/۹۶)

ہدایہ ثانی: ص/۳۴۲

وَإِذَا تَزَوَّجَ أَمَةً فَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ إِلَى الْمَوْلٰى عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ أَنَّ الْإِذْنَ إِلَيْهَا لِأَنَّ الْوَطْئَ حَقُّهَا حَتّٰى ثَبَتَ لَهَا وِلَايَةُ الْمُطَالَبَةِ وَفِي الْعَزْلِ تَنْقِيصُ حَقِّهَا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهَا كَمَا فِي الْحُرَّةِ بِخِلَافِ الْأَمَةِ الْمَمْلُوكَةِ لِأَنَّهُ لَا مُطَالَبَةَ لَهَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْعَزْلَ يُخِلُّ بِمَقْصُودِ الْوَلَدِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلٰى فَيُعْتَبَرُ رِضَاهُ. وَبِهٰذَا فَارَقَ الْحُرَّةَ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مسئلہ مذکورہ میں امام صاحب اور صاحبین کے مابین اختلاف کی وضاحت دلائل کے ساتھ کریں اور پوری عبارت حل کرتے ہوئے "وبهذا فارق الحرة" کی خاص طور سے وضاحت کریں۔

(ج): عزل کی کتنی قسمیں ہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کس قسم میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے اور کس قسم اتفاق ہے؟۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب کسی باندی کے ساتھ نکاح کیا تو عزل کرنے کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اجازت مولیٰ کے اختیار میں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ سے روایت ہے کہ (عزل کی) اجازت اسی باندی کے اختیار میں ہے۔ اس لیے کہ وطی باندی کا حق ہے، حتی کہ اس باندی کے لیے مطالبہ کی ولایت ثابت ہے، اور عزل میں اسی (باندی) کے حق میں کمی کرنا ہوگا پس (منکوحہ) باندی کی رضا مندی شرط ہے جیسے آزاد (منکوحہ) میں برخلاف مملوکہ باندی کے، کیوں کہ اس کے لیے مطالبہ کا حق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی رضا مندی کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ عزل کرنا بچہ کے مقصود میں مخل ہے اور وہ مولیٰ کا حق ہے، لہٰذا مولی کی رضا مندی ہوگی اور اسی (دلیل) سے (منکوحہ باندی کا) منکوحہ حرہ سے فرق ہوگیا۔

(ب): عبارت کی تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی باندی کا مالک ہے اور اس مالک نے اپنی اس باندی کا نکاح کسی شخص سے کر دیا، تو کیا اس منکوحہ باندی کے شوہر کے لیے عزل کرنے کی اجازت مولی سے لینی پڑے گی یا منکوحہ باندی سے اجازت لینی پڑیگی پہلے عزل کی تعریف سمجھ لیجئے۔ عزل کہتے ہیں کہ آدمی جب اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے تو جماع کرتے روقت جب انزال کا وقت آئے تو انزال باہر کرے تا کہ حمل قرار نہ پائے، یہ عزل کی تعریف ہوئی، تو بہر صورت مسئلہ مذکورہ میں اجازت لینے کی صورت میں امام ابویوسفؒ اور امام صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عزل کی اجازت کا اختیار مولی کو ہے یعنی اگر شوہر اپنی منکوحہ باندی سے عزل کرنا چاہے تو اس کو پہلے باندی کے مولی سے اجازت لینی پڑے گی۔ اور صاحبین سے مروی ہے کہ عزل کی اجازت کا اختیار باندی کو ہے یعنی شوہر اپنی منکوحہ باندی سے اجازت لے کر عزل کرے گا نہ کہ اس کے مولیٰ سے۔

امام صاحبین کی دلیل قیاس ہے: یعنی انہوں نے منکوحہ باندی کو منکوحہ حرۃ پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح منکوحہ حرہ سے عزل کرنے کی صورت میں اجازت اسی سے لی جاتی ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایسے ہی یہاں بھی منکوحہ باندی سے اجازت لی جائے گی۔ پس صاحبین کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ وطی یہ منکوحہ باندی کا حق ہے اور منکوحہ باندی کو وطی کے مطالبہ کی ولایت حاصل ہے۔ یعنی منکوحہ باندی کو اپنے شوہر سے وطی کے مطالبہ کا اختیار ہے تو پھر اس کی اجازت کے بغیر عزل کیسے جائز ہوگا۔ عزل کرنے میں منکوحہ باندی کی رضا مندی لازم ہوگی بغیر اس کی اجازت کے عزل نہیں کرسکتا ہے جیسا کہ آزاد عورت کے اندر کہ اس کی رضا مندی بالاتفاق لازم ہے۔ کیوں کہ آزاد عورت کو بھی شوہر سے وطی کے مطالبہ کی ولایت حاصل ہے۔

ہاں اگر کسی کی مملوکہ باندی ہے تو اس کے مولیٰ کے لیے عزل کی اجازت ہے اور مولی کے لیے عزل کرنے کے لیے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے مملوکہ باندی راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کے اتفاق کے ساتھ ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ مملوکہ باندی کو وطی کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہے لہٰذا اس کی رضا مندی بھی معتبر نہیں ہوگی۔

ظاہر الروایۃ کی دلیل: اس مسئلے میں کہ منکوحہ باندی سے عزل کرنے کے لیے مولی کی اجازت ضروری ہے یہ ہے کہ عزل کرنا بچہ کے مقصود میں مخل ہے اور چونکہ بچہ مولی کا حق ہے لہٰذا مولی ہی کی رضا مندی کا اعتبار کیا جائے گا اور باندی کی رضا مندی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

و بھذا فارق الحرۃ کی وضاحت: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی ظاہر الروایۃ کی دلیل پیش کی گئی اور وہ دلیل یہ ہے کہ عزل مقصودِ ولد میں مخل ہے اور ولد یعنی بچہ مولی کا حق ہے لہٰذا مولی ہی کی رضا مندی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس دلیل کی وجہ سے منکوحہ باندی اور آزاد منکوحہ میں فرق ہوگیا کہ منکوحہ باندی میں بچہ مولی کا حق ہے۔ اور آزاد منکوحہ میں بچہ مولی وغیرہ کا حق نہیں ہے پس جب دونوں فرق موجود ہے تو ایک کو دوسرے پر قیاس بھی نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ صاحبین نے منکوحہ باندی کو منکوحہ حرہ پر قیاس کیا ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۲۲۱)

(ج): عزل کی تین قسمیں ہیں: دو صورتوں میں امام صاحب اور صاحبین کا اتفاق

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے اور ایک صورت میں دونوں حضرات کے درمیان میں اختلاف ہے۔پہلی صورت یہ ہے کہ آقا اپنی مملوکہ باندی سے کرے اس میں عزل کرنے کے لیے کسی کی اجازت درکار نہیں ہے اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اتفاق ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی آزاد عورت سے عزل کرے اس میں عزل کی اجازت کا اختیار عورت ہی کو ہوگا اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین متفق ہیں۔تیسری صورت یہ ہے کہ عزل منکوحہ باندی سے کرے اس صورت میں اختلاف ہے جیسا کہ عبارت کے اندر گزر چکا کہ امام صاحب کے نزدیک عزل کی اجازت کا اختیار مولی کو ہوگا۔اور صاحبین کے نزدیک عزل کی اجازت کا اختیار منکوحہ باندی کو ہوگا۔

ہدایہ ثانی: ص ر ۳۴۷

وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ أَوْ أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ لَمْ يَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلٰثَ حِيَضٍ ثُمَّ تَبِيْنُ مِنْ زَوْجِهَا وَهٰذَا، لِأَنَّ الْأَسْلَامَ لَيْسَ سَبَبًا لِلْفُرْقَةِ وَالْعَرْضُ عَلَى الْأَسْلَامِ مُتَعَذَّرٌ لِقُصُوْرِ الْوِلَايَةِ وَلَا بُدَّ مِنَ الْفُرْقَةِ رَفْعًا لِلْفَسَادِ فَأَقَمْنَا شَرْطَهَا وَهِيَ مُضِيُّ الْحَيْضِ مَقَامَ السَّبَبِ كَمَا فِيْ حَفْرِ الْبِئْرِ.

(الف): ترجمہ اور جامع تشریح کیجیے۔

(ب): مسئلہ مذکورہ میں کیا مجبوری پیش آئی کہ شرط کو سبب کے قائم مقام کرنا پڑ تفصیل سے بیان کریں۔

(ج): ”كما في حفر البئر“ اس مشبہ بہ کی خوب وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر عورت دارالحرب میں اسلام لائی جب کہ اس کا شوہر کافر ہے یا حربی اسلام لایا اور اس کے تحت مجوسیہ عورت ہے تو عورت پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فرقت واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ اسے تین حیض آجائیں پھر وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہوجائے گی اور یہ اس لیے کہ اسلام، فرقت کا سبب نہیں ہے اور کافر کو اسلام پیش کرنا متعذر رہے حاکم کی ولایت کے نہ ہونے کی وجہ سے اور فساد دور کرنے کے لیے فرقت ضروری ہے لہٰذا ہم نے فرقت کی شرط کو۔ اور وہ حیض کا گزرنا ہے۔ سبب کے قائم مقام کردیا جیسا کہ کنواں کھودنے میں۔

تشریح: اس مسئلہ کی جامع تشریح یہ کہ اگر عورت دارالحرب میں اسلام لائی اور اس کا شوہر کافر ہے یا شوہر مسلمان ہوگیا اور اس کی بیوی مجوسیہ ہے مراد یہ ہے کہ کتابیہ نہ ہو اب چاہے وہ بت پرست ہی کیوں نہ تو ان کے درمیان فرقت تین حیض گزرنے کے بعد واقع ہوگی اور بیوی تین حیض کے بعد بائنہ ہوجائے گی۔

وهذا: سے حیض کو وقوع فرقت کی شرط قرار دیا ہے، اس کی وجہ بیان کی ہے کہ اسلام تو فرقت کا سبب نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اسلام تو جوڑنے کے لیے آیا ہے نہ کہ تفریق کے لیے، اور قاضی دوسرے فرد کو اسلام پیش بھی نہیں کرسکتا کہ وہ اسلام کا انکار کردے جس کی بناء پر تفریق کردی جائے، کیوں کہ قاضی کو دارالحرب میں کافر پر دلالت نہیں ہے اور فرقت بھی ضروری ہے تا کہ فساد ختم ہوجائے اور وہ فساد، مسلمان کا کافر کے تحت ہونا ہے۔ (بنایہ: ص/۲۴۱)

تو بالآخر ہم نے فرقت کی شرط: یعنی تین حیض کا گزارنا اگر زنا اگر ذوات الحیض میں سے ہے اور تین مہینے، اگر غیر حائضہ ہے کہ فرقت کے سبب یعنی اِباء عن الاسلام کے قائم مقام کردیا۔ اور یہ قائم کرنا ایسا ہی ہے جیسے حفر البئر کے مسئلہ میں۔ (فتح القدیر: ج/۳، ص/۳۹۶)

(ب): مسئلہ مذکور میں مجبوری یہ پیش آئی کہ اسلام تو فرقت کا سبب ہیں ہوسکتا لأن الاسلام عاصم (بنایہ: ج/۵، ص/۲۴۱) لہٰذا سبب فرقت نہیں بن سکتا، اور دوسرے فرد کو اسلام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ دارالحرب میں قاضی کو ولایت نہیں ہے اور فرقت ضروری بھی ہے فساد رفع کرنے کے لیے، تو ہم نے فرقت کی شرط، حیض کو فرقت کے سبب حقیقی اِباء عن الاسلام کے قائم مقام کردیا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج): اس مسئلہ میں شرط کو سبب کے قائم مقام کیا ہے جس کی نظیر کمافی حفر البئر ہے جس کو توجیہ یہ ہے کہ اگر کسی نے راستے میں کنواں کھودا پھر کوئی آدمی اس کنویں میں گر گیا تو کھودنے والے پر تاوان لازم ہے حالانکہ ہوتا ہے کنواں کھودنا نہ تو اس کے گرنے کی علت ہے اور نہ سبب ہے کیونکہ گرنے کی علت، جسم کا ثقل ہے اور سبب چلنا ہے لیکن دونوں کو گرنے کی وجہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ثقل تو ایک امر طبعی ہے اس میں کوئی تعدی نہیں ہے اور چلنا بھی مباح ہے لہٰذا ہم نے گرنے کی شرط کو حفر البئر کی جانب منسوب کر دیا اور صاحب حفر پر تاوان لازم کر دیا اسی طرح اس مسئلہ مذکورہ میں بھی کہ اباء عن الاسلام متحقق ہو نہیں سکتا، کیوں کہ قاضی، اسلام پیش کرنے پر قادر نہیں ہے جو کہ فرقت کی علت اور سبب ہے تو ہم نے فرقت کی شرط مضی حیض کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ (فتح القدیر: ج ۳ ، ص ۳۹۹)

ہدایہ ثانی: ص ۳۴۷

وَلَوْ سُبِيَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ وَقَعَتِ الْبَيْنُونَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَإِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ يَقَعِ الْبَيْنُونَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَقَعَتْ فَالْحَاصِلُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ التَّبَايُنُ دُوْنَ السَّبْيِ عِنْدَنَا وَهُوَ يَقُوْلُ بِعَكْسِهِ لَهُ أَنَّ التَّبَايُنَ اَثَرُهُ فِيْ اِنْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ وَذٰلِكَ لَا يُؤَثِّرُ فِي الْفُرْقَةِ كَالْحَرْبِيِّ الْمُسْتَامِنِ أَمَّا السَّبْيُ فَيَقْتَضِي الصَّفَا لِلسَّابِي وَلَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ وَلَنَا أَنَّ مَعَ التَّبَايُنِ حَقِيْقَةً وَحُكْمًا لَا يَنْتَظِمُ الْمَصَالِحَ فَشَابَهَ الْمَحْرَمِيَّةَ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): تباین کا مضاف الیہ اور صفاء کے معنی لکھ کر مسئلہ مذکورہ کی وضاحت کیجئے پھر ائمہ کا اختلاف لکھ کر ہر فریق کے دلائل تحریر کریں اور امام شافعیؒ کا جواب بھی قلمبند کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک گرفتار کر لیا گیا تو ان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے بینونت واقع ہوجائے گی اور اگر دونوں ساتھ ساتھ گرفتار کر لیے گئے تو بینونت واقع نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ (دونوں میں) بینونت واقع ہوجائے گی پس حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک (بینونت کا) سبب تباین ہے نہ کہ گرفتاری، اور امام شافعؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں، امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تباین ایسی چیز ہے کہ اس کا اثر ولایت کے منقطع ہونے میں ہے، اور یہ (انقطاع ولایت) فرقت میں مؤثر نہیں ہے جیسا کہ حربی امان لے کر (دارالاسلام میں داخل ہونے والا ہے) اور بہر حال گرفتاری تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ گرفتار کرنے والے کے لیے خالص ہوجائے اور یہ متحقق نہیں ہوگا مگر انقطاعِ نکاح ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تباین کے ساتھ حقیقتاً اور حکماً مصالح حاصل نہیں ہوسکتے پس محرمیت کے مشابہ ہوگیا۔

(ب): تباین کی مضاف الیہ دارین ہے اور صفاء کا معنی خلوص یعنی خالص ہونا ہے۔

عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں توضیح سے پہلے یہ اصول ذہن نشین کر لیں کہ ہمارے نزدیک تباین دار فرقت کا سبب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرقت کا سبب قید ہونا ہے۔

اب مسئلہ سنئے کہ کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مجاہدین کے ہاتھوں قید ہوگیا اور دارالاسلام میں قید ہوکر آ گیا تو احناف کے نزدیک فرقت واقع ہوجائے گی بغیر طلاق کے، اس لیے کہ تباین دار پایا گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی دونوں میں جدائی ہوجائے گی کیوں کہ قید ہونا پایا گیا۔

اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کر لیے گئے خواہ دونوں کو ایک ہی مجاہد نے قید کیا ہو یا الگ الگ قید کیا ہو۔ (عین الہدایہ: ص/۱۱۵) احناف کے نزدیک دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع نہ ہوگی کیوں کہ تباین دارین نہیں پایا گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک جدائی ہوجائے گی کیوں کہ سبی یعنی قید ہونا پایا گیا جو کہ ان کے نزدیک بینونت کا سبب ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: اب اس بات کی کہ احناف نے تباین دار کو بینونت کی علت کیوں قرار دیا اور امام شافعیؒ نے قید ہونے کو؟

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تباین تو بینونت کی علت ہو نہیں سکتی کیوں کہ بینونت کا زیادہ سے زیادہ اثر ولایت کے ختم ہوجانے میں ہے اور انقطاع ولایت فرقت میں مؤثر نہیں ہوتا جیسے کہ حربی مستامن اسی طرح مسلم مستامن کہ ولایت تو ختم ہوجاتی ہے تباین دار کی وجہ سے لیکن ان بیویوں کے درمیان بینونت نہیں ہوتی۔ پس حاصل یہ نکلا کہ تباین تو بینونت کی علت نہیں ہے البتہ ''قید ہونا'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ قیدی، قید کرنے والے کی ملکیت میں خالص ہوجائے اور خلوص بغیر نکاح کے ختم کئے ہوئے متحقق ہو نہیں سکتا؛ چنانچہ اسی لیے کہ (قید ہونا خالص ہونے کا تقاضا کرتا ہے کافر قیدی کے ذمہ سے قرضہ ساقط ہوجاتا ہے) لہٰذا نکاح بھی ختم ہوجائے گا تا کہ مسبی قید کرنے والے کے لیے خالص ہوجائے تو بینونت کا سبب قید ہونا بنا لہٰذا قید ہونے سے بینونت ہوگی نہ کہ تباین دار سے۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ حقیقتاً یا حکماً تباین دار کے ہوتے ہوئے مصالح نکاح قائم نہیں رہ سکتے کیوں کہ تباین دار حقیقتاً اور حکماً بقاء نکاح کے منافی ہے اور جو چیز مصالح نکاح کے بقاء کے منافی ہو وہ نکاح کو ختم کردیتی ہے۔ جیسے ایسی عورت سے نکاح کو کرنا جو دائمی طور پر حرام ہو مصالح نکاح کو باقی نہیں رکھتا اسی طرح تباین بھی مصالح نکاح کو باقی نہیں رکھتا لہٰذا نکاح کو تباین دارین ختم کردے گا۔

تباین حقیقی: سے مراد یہ ہے کہ شخصیت اور ذات کے اعتبار سے جدا جدا دار میں ہوں۔ اور حکمی سے مراد یہ ہے کہ وہ جس دار میں داخل ہوا ہے اس میں وہ ٹھہرنے اور رہائش کی نیت سے داخل ہوا ہے واپسی کا ارادہ نہ ہو۔ (فتح القدیر: ج۳/ص۲۰۲)

امام شافعیؒ کا جواب: یہ ہے کہ ''سبی'' ملک رقبہ کو واجب کرتا ہے اور ملک رقبہ ابتداء نکاح کے منافع نہیں ہے اسی لیے اگر کسی نے اپنی باندی کا نکاح کرادیا تو درست ہے، پس بقاءً بھی منافیِ نکاح نہ ہوگا۔ (فتح القدیر حاشیہ: ص۲/۴۰۲) رہا امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ ''سبی''

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

خلوص ملک کا تقاضا کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ "سبی" اپنے محل میں خلوص کا تقاضا کرتا ہے اور وہ مال ہے پس گرفتار شدہ کی ذات اس کا خالص مملوک مال ہے. گرچہ اس کی فرج کسی کا نکاح میں ہو جیسے اپنی باندی بیاہ دی ہو۔ (عین الہدایہ: ج ۲/ص ۱۱)

ہدایہ ثانی: ص ۳۴۷

وَإِذَا خَرَجَتْ إِلَيْنَا مُهَاجِرَةٌ جَازَأَنْ تَتَزَوَّجَ وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: عَلَيْهَا الْعِدَّةُ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ وَقَعَتْ بَعْدَالدُّخُولِ فِي دَارِ الْأَسْلَامِ فَيَلْزَمُهَا حُكْمُ الْإِسْلَامِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا أَثَرُ النِّكَاحِ الْمُتَقَدِّمِ وَجَبَتْ إِظْهَارُ الْخَطَرَةِ وَلَا خَطَرَ لِمِلْكِ الْحَرْبِيِّ، وَلِهٰذَا لَا تَجِبُ الْعِدَّةُ عَلَى الْمَسْبِيَّةِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کو تحریر کیجیے۔

(ج): فریقین کے دلائل بیان کیجیے۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور جب عورت ہمارے (دارالاسلام) کی طرف ہجرت کر کے نکل آئی تو جائز ہے کہ وہ عورت نکاح کرلے اور اس پر عدت واجب نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس پر عدت واجب ہے۔ کیوں کہ فرقت دارالاسلام میں داخل ہونے کے بعد واقع ہوئی۔ لہٰذا اس عورت پر اسلام کا حکم لازم ہوگا، اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ عدت تو نکاح سابق کا اثر ہے، وہ اس کے احترام کو ظاہر کرنے لیے واجب نہیں ہوتی ہے اور حال یہ ہے کہ حربی مرد کی ملک (نکاح) کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اسی وجہ سے گرفتار شدہ عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): **توضیح**: مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئی۔ چاہے وہ عورت مسلمان ہو یا ذمیہ ہو۔ اور اس عورت کا دار الحرب کی طرف واپس جانے کا ارادہ بھی نہیں ہے، تو اس مہاجرہ عورت سے نکاح کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، اور اس پر عدت واجب نہیں ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اس پر عدت واجب ہے۔

(ج): امام صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دار الاسلام میں داخل ہونے کی بعد فرقت واقع ہوئی ہے، اور ہر وہ فرقت جو دار الاسلام میں واقع ہو اس پر اسلام کے احکام لازم ہوتے ہیں، اور عدت بھی اسلام کے احکام میں سے ہے۔ لہٰذا اس مہاجرہ عورت پر عدت واجب ہوگی، ہاں البتہ اگر حربی نے دار الحرب میں اپنی بیوی کو طلاق دی پھر اس عورت نے دار الاسلام کی طرف ہجرت کی تو بالاتفاق اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ عدت نکاحِ سابق کا اثر ہے جو ملکِ نکاح کے احترام کو ظاہر کرنے کے لیے واجب ہوتی ہے۔ اور حال یہ ہے کہ حربی مرد کی ملکِ نکاح کا کوئی احترام نہیں ہے۔ لہٰذا اس مہاجرہ پر بھی عدت واجب نہیں ہوگی، اور چوں کہ حربی مرد کی ملکِ نکاح کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اسی لیے بالاتفاق اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی جو گرفتاری کی گی ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۴۸

وإذَا ارْتَدَّ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْإِسْلَامِ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ مِنَ الزَّوْجِ فَهِيَ فُرْقَةٌ بِطَلَاقٍ هُوَ يَعْتَبِرُ بِالْإِبَاءِ وَالْجَامِعُ مَا بَيَّنَّاهُ وَأَبُوْ يُوسُفَ مَرَّ عَلٰى مَا أَصَّلْنَا لَهُ فِي الْإِبَاءِ وَأَبُو حَنِيفَةَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَوَجْهُهُ أَنَّ الرِّدَّةَ مُنَافِيَةٌ لِلنِّكَاحِ لِكَوْنِهَا مُنَافِيَةً لِلْعِصْمَةِ وَالطَّلَاقُ رَافِعٌ فَتَعَذَّرَ أَنْ تُجْعَلَ طَلَاقًا بِخِلَافِ الْإِبَاءِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مسئلہ کی وضاحت کریں۔

(ج): شیخینؒ اور امام محمدؒ کے مذہب میں فرق اور فریقین کے دلائل کی مکمل تشریح کر کے عصمت کی مراد اور اس کا منافی نکاح ہونا واضح کیجئے۔

(د): الجامع مابیناہ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب زوجین میں سے کوئی اسلام سے مرتد ہو جائے تو فرقف واقع ہو جائے گی بغیر طلاق کے اور یہ شیخین کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا اگر ردت شوہر کی جانب سے ہے تو یہ فرقت بذریعہ طلاق ہوگی، وہ (امام محمدؒ) اس کو انکار (عن الاسلام) پر قیاس کرتے ہیں اور جامع وہ ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اور ابو یوسف اپنی اسی اصل پر چلے جو ہم نے انکار میں ان کے واسطے بیان کی، اور ابو حنیفہ نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ردت نکاح کے منافی ہے ردت کے عصمت کے منافی ہونے کی وجہ سے اور طلاق رافع ہے لہٰذا یہ متعذر ہے کہ ردت کو طلاق قرار دیا جائے برخلاف انکار کے۔

(ب): مسئلہ یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ) تو دونوں کے درمیان فوراً فرقت واقع ہو جائے گی خواہ ارتداد قبل الدخول ہو یا بعد الدخول ہو۔ اور یہ فرقت بغیر طلاق کے ہوگی۔

(ج): اگر ارتداد بیوی کی جانب سے ہے تو فرقت ہو جائے گی بغیر طلاق کے اس میں شیخین اور امام محمدؒ متفق ہیں لیکن اگر ارتداد شوہر کی جانب سے ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ فرقت طلاق کے قائم مقام ہوگی، اور شیخین کے نزدیک فرقت بغیر طلاق کے ہوگی امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ ردت انکار عن الاسلام پر قیاس کرتے ہیں۔ اور مقیس و مقیس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

علیہ کے درمیان علت مشترکہ وہی ہے جس کو بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ انکار عن الاسلام کی صورت میں وہ امساک بالمعروف سے رک گیا حالانکہ وہ اس پر اسلام لانے کے ذریعہ قادر تھا چنانچہ جب وہ اسلام نہ لایا تو امساک بالمعروف متعذر ہو گیا تو تسریح بالاحسان میں قاضی اس شوہر کا قائم مقام ہو جائے گا اور دونوں میں تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی۔ اسی طرح جب شوہر مرتد ہو گیا تو اسلام کے انکار کر دینے کی وجہ سے امساک بالمعروف سے رک گیا لہٰذا قاضی تسریح بالاحسان میں اس کا قائم مقام ہو کر تفریق کرا دے گا اور یہ تفریق بھی طلاق ہوگی جس طرح اباء عن الاسلام کی صورت میں۔

(فتح القدیر: ج ۳، ص ۴۰۷)

اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: کہ ہر صورت میں فرقت بغیر طلاق ہوگی دلیل وہ ہے جو اباء عن الاسلام کی صورت میں ہے کہ وہاں تفریق میں دونوں کا کچھ نہ کچھ دخل تھا اسی طرح یہاں ارتداد میں بھی تفریق کا سبب دونوں ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ طلاق میں صرف شوہر کا دخل ہوتا ہو نہ کہ بیوی کا اور یہاں فرقت میں دونوں کا دخل ہے لہٰذا یہ فرقت طلاق نہیں ہو سکتی بلکہ بغیر طلاق کے فرقت ہوگی۔ (فتح القدیر: ج ۳، ص ۴۰۷)

امام صاحب دلیل: کی ردت والے مسئلہ میں یہ ہے کہ ردت نکاح کے منافی ہے کیوں کہ ردت عصمت کے منافی ہے کیوں کہ ردت کی وجہ سے نفس سے اور اس کی املاک سے عصمت اٹھ جاتی ہے اس لیے مرتد کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نکاح بھی من جملہ اس کے املاک میں سے ایک ملک ہے۔ لہٰذا اس سے بھی عصمت اٹھ جائے گی اور ردت نکاح کے منافی ہوگی۔ لہٰذا فرقت ہی واقع ہوگی نہ کہ طلاق کیوں کہ طلاق منافی نکاح نہیں ہے بلکہ رافع نکاح ہے اسی لیے طلاق دینے کے بعد دوبارہ نکاح کیا جا سکتا ہے اور اسی لیے کہ منافی نکاح نہیں ہے۔ طلاق دینے سے فوراً بینونت واقع نہیں ہوتی بلکہ عدت گزر جانے کے بعد ہوتی ہے تو ردت جو کہ منافی نکاح ہے وہ طلاق کیسے بن سکتی ہے جب کہ طلاق رافع نکاح ہے؟۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

خلاصہ یہ ہے کہ فرقت طلاق ہوگی اور اس فرقت کو طلاق کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا اس فرق کی وجہ سے جو ہم نے دونوں کے درمیان بیان کر دیا ہے۔

(فتح القدیر: ج/۳، ص/۴۰۷)

عصمت کی مراد: عصمت سے مراد وہ شئی ہے کہ جس کے باقی رہتے ہوئے آدمی نہ تو مباح الدم ہوسکتا ہے اور نہ مباح المال ہوسکتا ہے۔ (فتح القدیر کا حاشیہ ثانی: ص/۴۰۷)

ردت کا منافی ہونا: ردت کا منافی نکاح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ردت کے ہوتے ہوئے نہ نکاح کا وجود ہوسکتا ہے اور نہ نکاح باقی رہ سکتا ہے کیوں کہ نکاح کے باقی رہنے کے لیے عصمت کا ہونا ضروری ہے حالانکہ ردت عصمت کو ختم کر دیتی ہے، لہٰذا نکاح بھی ختم ہو جائے گا۔

(د): الجامع مابینا: سے امام محمدؒ نے اباء عن الاسلام پر ردت کو قیاس کیا ہے ان کے درمیان جو علت مشترک ہے اسے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر جب اسلام لانے سے انکار کی وجہ سے امساک بالمعروف سے رک گیا ہو حالانکہ وہ اس پر قادر تھا طور کہ وہ اسلام لے آتا، تو تسریح بالاحسان میں قاضی اس کا نائب ہوگا اسی کا نائب ہوگا اور جس طرح اباء عن الاسلام میں تفریق طلاق ہے اسی طرح یہاں بھی طلاق ہوگی۔

(بنایہ: ج/۵، ص/۲۴۷)

ہدایہ ثانی: ص/۳۴۸

وَإِذَا ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا نِكَاحِهِمَا إِسْتِحْسَانًا، وَقَالَ زُفَرُ: يَبْطُلُ لِأَنّ رِدَّةَ أَحَدِهِمَا مُنَافِيَةٌ، وَفِي رِدَّتِهِمَا أَحَدِهِمَا، وَلَنَا مَارُوِىَ أَنَّ بَنِي حَنِيفَةَ إِرْتَدُّوا ثُمَّ أَسْلَمُوا، وَلَمْ يَأْمُرْهُمُ الصَّحَابَةُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ بِتَجْدِيْدِ الْأَنْكِحَةِ، وَالْإِرْتِدَادُ مِنْهُمْ وَاقِعٌ مَعًا لِجَهَالَةِ التَّارِيْخِ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): مطلب لکھیں۔

(ج): بنوحنیفہ کون ہیں اور ان کا کیا واقعہ ہوا؟۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر دونوں مرتد ہوئے ایک ساتھ پھر اسلام لائے ایک ساتھ تو دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ استحساناً اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ نکاح باطل ہو جائے گا اس لیے کہ ان دونوں میں سے ایک کی ردت (نکاح کے) منافی ہے اور ان دونوں کے مرتد ہوتے میں ان میں سے ایک کی ردت ہے، اور ہماری دلیل وہ ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ بنوحنیفہ مرتد ہو گئے پھر اسلام لے آئے اور صحابہ کرامؓ نے ان کی وجہ سے۔

(ب): **مطلب**: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے (نعوذ باللہ) پھر ایک ساتھ دوبارہ اسلام لے آئے تو ہمارے نزدیک دونوں کا سابق نکاح باقی رہے گا۔ لیکن زفرؒ قیاس کرتے ہیں "ردۃ" نکاح کے منافی ہے اسی لیے جب دونوں میں سے ایک مرتد ہو جائے تو نکاح ختم ہو جاتا ہے لہٰذا جب دونوں مرتد ہو جائیں تو بھی نکاح ختم ہو جائے گا کیونکہ دو میں ایک داخل ہے تو جب ایک کی ردت سے نکاح ختم ہو جاتا ہے تو دونوں کی ردۃ سے بدرجۂ اولیٰ ختم ہو جائے گا۔

دلیل احناف: یہ ہے کہ: قیاس وہی ہے جو امام زفرؒ نے بیان کیا لیکن قیاس کے خلاف اجماع ہے کہ بنوحنیفہ سب کے سب ایک ساتھ مرتد ہوئے اور پھر ایک ساتھ اسلام لے آئے تو صحابۂ کرام نے تمام کو ان کے نکاح سابق پر برقرار رکھا تو یہ قیاس کے خلاف اجماع ہو گیا اور اجماع کے ہوتے ہوئے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

ولا رتداد منهم: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سب ایک ساتھ نہ تو مرتد ہوئے ہوں اور نہ ایک ساتھ اسلام لائے ہوں بلکہ تقدم و تاخر ہو گیا ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: چونکہ تاریخ میں ان تقدم وتأخر مذکور نہیں ہے لہٰذا ان کے ارتداد کو ایک ساتھ ہی پر محمول کریں گے اب اگر تقدم وتأخر کریں تو ترجیح بلا دلیل لازم آئے گی کیوں کہ تاریخ کے صفحات اس سے خالی ہیں کہ کون پہلے مرتد ہوا اور کون بعد میں۔

بنوحنیفہ: مسیلمہ کذاب کی قوم تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ سے انکار کر دیا اور سب مرتد ہو گئے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا چنانچہ وہ دوبارہ پھر اسلام لے آئے۔ (عین الہدایہ: ج/۲، ص/۱۱۹)

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۰

ثُمَّ مُدَّةُ الرَّضَاعِ ثَلٰثُوْنَ شَهْراً عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَؒ وَقَالَا سَنَتَانِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ! وَقَالَ زُفَرُ: ثَلاثَةُ اَحْوَالٍ لِأَنَّ الْحَوْلَ حَسَنٌ لِلتَّحَوُّلِ مِنْ حَالٍ إِلٰى حَالٍ وَلَابُدَّ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَى الْحَوْلَيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ فَيُقَدَّرُ بِهِ، وَلَهُمَا قَوْلُهُ تَعَالٰى "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُوْنَ شَهْرًا" .

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مدتِ رضاعت کے سلسلے میں فقہائے احناف کے اقوال مدلل لکھیں اور درج ذیل عبارت کا مطلب تحریر کریں "فَإِنَّ غِذَاءَ الْجَنِيْنِ يُغَايِرُ غِذَاءَ الرَّضِيْعِ كَمَا يُغَايِرُ غِذَاءَ الْفَطِيْمِ".

الجواب

(الف): **ترجمہ**: مدت رضاعت تیس مہینہ ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا دو سال، اور یہی امام شافعی کا قول اور امام زفر نے فرمایا کہ تین سال، اس لیے کہ مدتِ سال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدل جانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور دو سال پر زیادتی ضروری ہے اس وجہ سے جو ہم بیان کریں گے، لہٰذا زیادتی کا اندازہ لگایا جائے گا۔ ایک سال کے ذریعہ اور صاحبین کی دلیل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ''وحملہ'' بچہ کا حمل اور اس کا جدا ہونا دو برس چھ ماہ ہے۔

(ب): مدت رضاعت کے سلسلے میں اختلاف: صاحبین کے نزدیک مدتِ رضاعت دو سال ہے اور یہی قول امام شافعی کا ہے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اور امام صاحب کے نزدیک ڈھائی سال ہے البتہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ عیون سے علامہ قاسمؒ نے تصحیح القدوری میں نقل کیا ہے۔ (عین الہدایہ: ج ۲/ص ۱۴۴)

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ''وحمله وفصاله......الخ'' میں حمل اور رضاعت دونوں کی مدت دو برس اور چھ مہینہ مقرر فرمائی ہے اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینہ ہے باقی رہے دو برس تو وہ مدت رضاعت ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ''لارضاع بعد الحولین''۔ اور یہ آیت بھی محل استدلال ہے ''والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين......الخ''۔

امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ دو سال کے بعد بچہ کو ایک غذا سے دوسرے غذا کی جانب منتقل کرنا ضروری ہے تا کہ دودھ سے انبات منقطع ہو جائے اور انتقال کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا کیوں کہ فوراً ایک غذا سے دوسرے غذا کی طرف بالکلیہ منتقل کر دینے میں بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور وہ وقت ایک سال ہے کیوں کہ اس میں تمام موسم آ گئے ہیں تو اس اعتبار سے تین سال مدتِ رضاعت ہوگی۔

امام صاحب کی دلیل: وہی آیت ہے جس سے صاحبین نے استدلال کیا ہے یعنی ''وحمله وفصاله ثلاثون......الخ'' اور طریقۂ استدلال اس طرح ہے کہ اللہ نے دو چیزوں یعنی حمل اور فصال کے لیے ایک مدت بیان فرمائی ہے اور جب کہیں دو شئی کے لیے ایک ہی مدت بیان کی جائے تو دونوں کے لیے الگ الگ مستقل مدت شمار ہوتی ہے دونوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ جیسے کہ خالد کا ایک ہزار روپئے اور پانچ کلو گیہوں زید کے ذمہ قرضہ ہیں اور خالد نے زید سے کہا کہ میں تمہیں دونوں قرضوں کے سلسلے میں دو سال کی مہلت دیتا ہوں تو دونوں کے لیے الگ الگ دو سال مدت مہلت ہوگی اسی طرح یہاں بھی حمل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور فصال ہر ایک کے لیے دو برس اور چھ مہینہ مدت ہوگی لیکن حمل کے سلسلے میں ایک حدیث آ گئی جس نے مدت حمل کر دیا اور وہ حدیث عائشہ ہے فرمایا "الولد لا یبقی فی بطن امہ اکثر من سنتین ولو بفلکۃ مغزلٍ" یعنی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد نہیں رہتا۔ تو حمل کی مدت کم ہوگئی لیکن فصال کے سلسلے میں کوئی منقّص نہیں پایا گیا للہذا وہ اپنے حال پر باقی رہے گا اور وہ ڈھائی سال ہے۔

دلیل عقلی: وہی ہے جو امام زفر کی ہے کہ دو سال کے بعد ایک غذا سے دوسرے غذا کی طرف انتقال کے لیے کچھ مدت درکار ہوگی اور اس مدت کی تعین چھ مہینہ سے کیا ہے۔

فان غداء......الخ کا مطلب: یہ عبارت کی عقلی دلیل میں چھ مہینہ کے متعین کرنے کی دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابھی بیان ہوا کہ ایک غذا سے دوسری غذا کی طرف انتقال کے لیے کچھ مدت چاہیے اور امام صاحب نے اس مدت کی تعین چھ مہینہ سے کی ہے کیوں کہ چھ مہینہ میں غذا بدل جاتی ہے مثلاً ایک بچہ مہینہ میں پیدا ہوگیا تو جب تک ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کی غذا وہی تھی جو ماں کی غذا تھی لیکن جب چھ مہینہ میں پیدا ہوگیا تو اس کی غذا خالص دودھ ہوگئی تو معلوم ہوا کہ چھ مہینہ میں غذا بدل جاتی ہے للہذا چھ مہینہ کا اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ حاصل یہ نکلا کہ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہے اس کی غذا دودھ پینے والے بچہ کی غذا سے مختلف ہے جس طرح دودھ پینے والے بچہ کی غذا چھوڑنے والے بچہ سے مختلف ہے اور چھ مہینہ میں ایک غذا سے دوسری غذا کی طرف انتقال ہوگیا تو اسی مدت کا اعتبار کر لیا گیا۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۱

وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ لِلْحَدِيْثِ الَّذِىْ رَوَيْنَا إِلاَّ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلاَ يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ لِأَنَّهَا تَكُوْنُ أُمَّهُ أَوْ مَوْطُوْءَةَ أَبِيْهِ بِخِلاَفِ الرَّضَاعِ وَيَجُوْزُ تَزَوُّجُ أُخْتِ إِبْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ وَلاَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ لِأَنَّهُ لَمَّا وَطِيَ أُمَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ وَلَمْ يُوْجَدْ هٰذَا الْمَعْنٰى فِى الرَّضَاعِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): عبارت کا مطلب لکھئے نیز "إلا ام اختہ من الرضاع" اور اس کے بعد کے تمام مسائل کو الگ الگ مثال کے ذریعہ واضح کیجئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور رضاعت سے وہ (تمام رشتے) حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی، مگر اس کی رضاعی بہن کی ماں، کیوں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اور اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ اس کی ماں ہوگی یا اس کے باپ کی موطوءہ (ہوگی) برخلاف رضاعت کے، کیوں کہ جب اس کی ماں سے وطی کی تو (ماں) اس پر حرام ہوگئی اور یہ معنی رضاعت میں موجود نہیں ہے۔

(ب): **تشریح**: اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ تمام رشتے جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں وہ سب رضاعت سے بھی حرام ہو جائیں گے اور مستدل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" کہ رضاعت سے تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں البتہ بعض رشتے ایسے ہیں جو نسب سے تو حرام ہوتے ہیں لیکن رضاعت سے حرام نہیں ہوتے۔ مثلاً اپنی نسبی بہن کی ماں سے نکاح درست نہیں ہے کیوں کہ نسب کے اعتبار سے ماں ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ خود اس کی بھی ماں ہوگی یا اس کے باپ کی موطوہ ہوگی اور دونوں سے نکاح درست نہیں ہے "اما الاول فلقولہٖ تعالیٰ حُرِمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَامَّا الثَّانِیُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُ كُمْ" (البتہ) اپنی نسبی بہن کی رضاعی ماں، (۲) اپنی رضاعی بہن کی نسبی ماں، (۳) اپنی رضاعی بہن کی رضاعی ماں، ان تینوں سے نکاح درست ہے، کیوں کہ حرمت والی کوئی شئی ان میں نہیں پائی جاتی اب ان تینوں کو مثال سے سمجھئے (اول)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سلمان کی نسبی بہن رقیہ ہے، رقیہ کی رضاعی ماں خالدہ ہے، تو سلمان کا خالدہ سے نکاح درست ہے، (دوم) محفوظ اور راشدہ رضاعی بھائی بہن ہیں اور حمیدہ، راشدہ کی نسبی ماں ہے تو محفوظ کے لیے راشدہ سے نکاح کرنا درست ہے (سوم) سلمان اور خولہ جو کہ دونوں اجنبی ہیں دونوں نے حمیدہ کا دودھ پیا تو دونوں رضاعی بھائی بہن ہو گئے اور خولہ کی ایک رضاعی ماں فاطمہ پہلے سے ہے تو سلمان کے لیے فاطمہ سے نکاح درست ہے۔

(حاشیہ ہدایہ ثانی: ص ۳۵۱)

یجوز تزوج اخت: یہ بھی استثناء میں داخل ہے یعنی یہ رشتۂ رضاعت نکاح سے مانع نہیں ہے لیکن یہی صورت اگر نسبت کے اعتبار سے تو نکاح کرنا حرام ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اپنے لڑکے کی بہن سے نکاح درست نہیں ہے نسبت کے اعتبار سے کیوں کہ اس کے لڑکے کی بہن ہونے کی دو صوتیں ہیں ایک یہ کہ خود اس کی بھی لڑکی ہوگی، یا اس کی بیوی کی لڑکی ہوگی جو دوسرے شوہر سے ہوگی اور یہ دونوں حرام ہیں **اما الاول: فلقوله تعالٰی "حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم" اما الثانی:** تو اس کے لیے وہ اس کی ربیبہ ہے اور جب اس کی ماں سے اس نے دخول کر لیا تو ربیبہ حرام ہے لقولہ تعالیٰ "**حرمت علیلم... وربائبکم الّتی فی حجورکم**" اس کو اب مثال سے سمجھئے کہ حامد کا ایک لڑکا ہے زید، اور اس کی بہن فاطمہ ہے۔ اب اگر فاطمہ حامد ہی کے نطفہ سے ہے تو بھی حرام اور اگر حامد نے اس کی ماں ساجدہ سے وطی کر لی تو ربیبہ حرام ہو گئی، لیکن یہ رشتہ رضاعت سے حرام نہیں ہیں۔

اس میں بھی تین صورتیں ہیں:

(۱) خالد کے نسبی لڑکے کی رضاعی بہن، مثلاً زید خالد کا نسبی لڑکا ہے اور اس نے رشیدہ کے ساتھ خالدہ کا دودھ پیا تو رشیدہ زید کی رضاعی بہن ہوئی تو اس سے خالد کا نکاح درست ہے۔

(۲) خالد کے رضاعی لڑکے کی نسبی بہن مثلاً سلمان نے خالد کی بیوی کا دودھ پیا اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سلمان کی ایک نسبی بہن صفوانہ ہے تو خالد کا نکاح اپنے رضاعی لڑکے سلمان کی نسبی بہن صفوانہ سے درست ہے کیوں کہ وہ حلال ہے۔

(۳) خالد کے رضاعی لڑکے کی رضاعی بہن، مثلاً زید نے خالد کی بیوی کا دودھ پیا تو وہ خالد کا رضاعی لڑکا ہو گیا اور زید نے خالدہ کی بیوی کا دودھ پی چکا ہے تو حمیدہ خالد کے رضاعی لڑکے زید کی رضاعی بہن ہوئی۔ لہٰذا اس سے خالد کا نکاح درست ہے کیوں کہ تینوں صورتوں میں کوئی وجہ نہیں پائی جاتی ہے۔ (شرح وقایہ: ج ۲/ص: ۲۲، حاشیہ: ۳)

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۱

لَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ وَهُوَ أَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوجِهَا وَعَلٰى اٰبَائِهِ وَأَبْنَائِهِ وَيَصِيرُ الزَّوْجُ الَّذِى لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ أَبًا لِلْمُرْضَعَةِ وَفِى اَحَدِ قَوْلَى الشَّافِعِيِّ لَبَنُ الْفَحْلِ لَا يُحَرِّمُ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ وَاللَّبَنُ بَعْضُهَا لَا بَعْضُهُ وَلَنَا مَا رَوَيْنَا وَالْحُرْمَةُ بِالنَّسَبِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَكَذَا بِالرَّضَاعِ وَلِأَنَّهُ سَبَبٌ لِنُزُولِ اللَّبَنِ مِنْهَا فَيُضَافُ إِلَيْهِ فِى مَوْضِعِ الْحُرْمَةِ إِحْتِيَاطًا.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): صورت مسئلہ اور اختلاف ائمہ لکھ کر ہر فریق کے دلائل کو واضح کیجیے۔

(ج): فیضاف اور الیہ کی ضمیر کا مرجع لکھیے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: مرد کے دودھ حرمت متعلق ہوگی اور وہ یہ ہے کہ عورت کسی بچی کو دودھ پلائے تو یہ بچی حرام ہو جائے گی اس کے شوہر اور شوہر کے آباء و ابناء پر، اور وہ شوہر جس سے عورت کو دودھ اترا ہے وہ مرضعہ کا باپ ہو جائے گا اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک ہے کہ مرد کا دودھ مُحَرِّم نہیں ہے اس لیے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حرمت جزئیت کے شبہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے نہ کہ شوہر کا جزء، اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے اور حرمت، نسب کی وجہ سے دونوں جانب سے ہوتی ہے تو اسی طرح رضاعت سے، اور اس لیے کہ مرد مرضعہ (بکسر الضاد دودھ پلانے والی) سے دودھ اترنے کا سبب ہے لہٰذا دودھ کو شوہر کی جانب منسوب کیا جائے گا حرمت کے مقام میں احتیاطًا۔

(ب): اولاً یہ واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ میں لبن الفحل سے مرد کا دودھ مراد نہیں ہے جو مرد کے چھاتی سے اترا ہو کیونکہ اگر ایسا دودھ جو خود اس کے چھاتی سے اترا اور اس نے کسی بچی کو پلا دیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی بالا جماع۔ (حاشیہ ہدایہ) اور اس لیے بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی کیوں کہ مرد کی چھاتی کا دودھ نہیں ہے بلکہ رطوبت ہے جس نے دودھ کی مشابہت اختیار کر رکھا ہے، جیسے مچھلی کا خون کہ وہ حقیقتًا خون نہیں ہے بلکہ پانی ہے، لہٰذا رضاعت کے احکام کا تعلق مرد کی چھاتی سے اترنے والے دودھ سے نہ ہوگا۔ (شرح وقایہ: ج/۲، حاشیہ نمبر ۲، ص/۲۸)

اب مسئلہ سمجھیے کہ وہ شوہر جس سے عورت کو دودھ اترا پھر اس عورت نے کسی بچی کو دودھ پلا دیا تو کیا رضاعت مرد سے ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک رضاعت اس سے بھی اور اور مرد کے اصول وفروع سے بھی ثابت ہوگی۔

اور امام شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ مرد سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حرمت جزئیت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے لہٰذا صرف عورت سے ہی حرمت متعلق ہوگی۔

احناف کی دلیل: وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ سب رضاعت سے بھی حرام ہوں گے "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب" اور ایک دوسری حدیث ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن افلح نامی ایک شخص آئے تو میں پردہ پوچھا وہ کس طرح؟ انہوں نے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہا کہ میرے بھائی ابی تعیس کی بیوی نے آپ کو دودھ پلایا ہے تو میں نے کہا کہ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے نہ کہ مرد نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے پورا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا "لِيَلِجْ عَلَيْكِ أَفْلَحُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعِ" یعنی اے عائشہ افلح آپ کے پاس آ سکتے ہیں کیوں کہ وہ آپ کے رضاعی چچا ہیں۔ یعنی بغیر پردہ کے آپ ان کے سامنے آ سکتی ہیں، یعنی بغیر پردہ کے آپ ان کے سامنے آ سکتی ہیں، تو جب وہ چچا ہو گئے تو ظاہر ہے کہ مُرضعہ کا شوہر ضرور باپ ہوگا اور اس سے حرمت متعلق ہوگی۔ (فتح القدیر: ج/۳، ص/۴۳۱)

دلیل عقلی: یہ ہے کہ عورت کو دودھ چوں کہ شوہر ہی کی وجہ سے اترا ہے تو حرمت کے مقام میں احتیاطاً عورت کے دودھ کو مرد کی جانب بھی منسوب کر دیا جائے گا اور اس سے بھی حرمت متعلق ہوگی اور اس کے اصول وفروع سب مُرضعہ پر حرام ہوں گے۔

(فتح القدیر حاشیہ ثانی: ج/۳، ص/۴۳۱)

(ج): "یضاف" کی ضمیر کا مرجع "لبن" ہے اور "الیہ" کی ضمیر کا مرجع "فحل" ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۱

وَيَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِأُخْتِ أَخِيهِ مِنَ الرَّضَاعِ لِأَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُخْتِ أَخِيهِ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ مِثْلُ الْأَخِ مِنَ الْأَبِ إِذَا كَانَتْ لَهُ أُخْتٌ مِنْ أُمِّهِ جَازَ لِأَخِيهِ مِنْ أَبِيهِ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمُرْضَعَةُ أَحَدًا مِنْ وُلْدِ الَّتِي أَرْضَعَتْ لِأَنَّهُ أَخُوهَا وَلَا وُلْدِ وَلَدِهَا لِأَنَّهُ وَلَدُ أَخِيهَا وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ أُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ لِأَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): تمام مسائل کی مدلل اور مثال کے ساتھ تشریح کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): ترجمہ: اور جائز ہے کہ مرد اپنے رضاعی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح کرے، کیوں کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اور یہ مثلاً باپ شریک بھائی جب کہ اس کی ماں شریک بہن ہو تو اس کے باپ شریک بھائی کے لیے جائز ہے کہ اس سے نکاح کرے اور نہ نکاح کرے مرضعہ (جس کو دودھ پلایا گیا) اس عورت کے لڑکوں میں سے کسی سے جس نے (اس کو) دودھ پلایا ہے، کیوں کہ یہ (لڑکا) اس کا بھائی ہے اور نہ اس دودھ پلانے والی کے لڑکے کی اولاد سے کیوں کہ یہ اس کا بھتیجا ہے۔ اور وہ بچہ جس کو دودھ پلایا گیا ہے دودھ پلانے والی کے شوہر کی بہن سے نکاح نہ کرے، کیوں کہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔

(ب): مسائل کی تشریح مثال اور دلیل کے ساتھ: اس عبارت کے اندر تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آدمی اپنے رضاعی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کر سکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ خالد نے ماجد کی ماں کا دودھ پیا تو ماجد خالد کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ حالانکہ یہ لڑکی ماجد کے رضاعی بھائی خالد کے نسبی بہن ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ نسبی بھائی کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ راشد کے دو بیٹے شاہد اور حامد ہیں اور دونوں کی ماں الگ الگ ہے۔ تو یہ دونوں علاتی یعنی باپ شریک بھائی ہوں گے۔ راشد اپنے بیٹے شاہد کی ماں کو طلاق دیدی، پھر اس مطلقہ عورت نے یعنی شاہد کی ماں نے اپنی عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی تو یہ لڑکی راشد کے بیٹے شاہد کی ماں شریک بہن بنے گی۔ اور راشد کے دوسرے بیٹے حامد جو کہ دوسری بیوی سے ہے اس کے حق میں یہ لڑکی اجنبیہ ہوگی، پس حامد شاہد کی ماں شریک بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔ حالانکہ یہ لڑکی اپنے شوہر جو کہ حامد ہے اس کے نسبی بھائی کی نسبی بہن ہے۔ لیکن چوں کہ یہ لڑکی حامد کے حق میں اجنبیہ ہے اس لیے اس سے نکاح درست ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسرا مسئلہ یہ ہے: کہ مرضعہ یعنی جس کو دودھ پلایا گیا وہ اپنی رضاعی ماں کی اولاد میں سے کسی سے نکاح نہ کرے اس کی صورت یہ ہوگی کہ فاطمہ نے خالدہ کا دودھ پیا اور خالدہ کے بیٹے زید، عمرو، بکر ہیں تو فاطمہ کے لیے زید، عمرو، بکر میں سے کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ زید، عمرو، بکر سب اس کے رضاعی بھائی ہیں۔ اور جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتے ہیں۔ اور نہ ہی فاطمہ، زید، عمرو، بکر وغیرہ کے لڑکے سے نکاح کرسکتی ہے۔ کیوں کہ فاطمہ اس صورت میں زید وغیرہ کے لڑکے کی رضاعی پھوپھی بنے گی اور یہ سب لڑکے فاطمہ کے رضاعی بھتیجے بنیں گے۔ اور رضاعی بھتیجے سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ صبی مرضع یعنی جس بچے کو دودھ پلایا گیا ہے اس کے لیے اپنی رضاعی ماں کے شوہر کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ زید نے راشدہ کا دودھ پیا اور راشدہ کے شوہر کی ایک بہن ہے جس کا نام خالدہ ہے تو زید کے لیے خالدہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خالدہ، زید کی رضاعی پھوپھی بنے گی اور رضاعی پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جس طرح نسبی پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۲

وَإِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَيْنِ تَعَلَّقَ التَّحْرِيمُ بِأَغْلَبِهِمَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْكُلَّ صَارَ شَيْئًا وَاحِدًا فَيُجْعَلُ الْأَقَلُّ تَابِعًا لِلْأَكْثَرِ فِي بِنَاءِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيمُ بِهِمَا لِأَنَّ الْجِنْسَ لَا يَغْلِبُ عَلَى الْجِنْسِ فَإِنَّ الشَّيْئَ لَا يَصِيرُ مُسْتَهْلَكًا فِي جِنْسِهِ لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي هٰذَا رِوَايَتَانِ وَأَصْلُ الْمَسْئَلَةِ فِي الْأَيْمَانِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): عبارت کی تشریح کرتے ہوئے امام اعظمؒ کی دونوں روایتوں کی تعیین اور و أصل المسئلہ......الخ کی مثال سے وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب دوعورتوں کا دودھ مل جائے تو تحریم ان دونوں میں سے غالب سے متعلق ہوگی ابو یوسف کے نزدیک اس لیے کہ تمام (دودھ) شیٔ واحد ہوگیا لہٰذا اقل کو اکثر کے تابع کردیا جائے گا اس پر (رضاعت کا) حکم مبنی کرنے میں، اور امام محمدؒ وزفرؒ نے فرمایا کہ تحریم دونوں سے متعلق ہوگی اس لیے کہ جنس، جنس پر غالب نہیں آتی کیوں کہ کوئی شئی اپنے جنس میں ہلاک ومعدوم نہیں ہوتی مقصود کے متحد ہونے کی وجہ سے اور ابوحنیفہؒ سے اس سلسلے میں دو روایت ہیں اور اصل مسئلہ باب قسم میں ہے۔

(ب): خلاصہ یہ ہے کہ جب دوعورتوں کا دودھ مخلوط ہوجائے اور اس کو بچہ پی لے تو کیا رضاعت دونوں سے ہوگی یا ایک سے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف اس عورت سے رضاعت ثابت ہوگی جس کا دودھ غالب ہو یہی امام شافعیؒ کا بھی قول ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ تمام دودھ من حیث الجنس ایک ہے لہٰذا اقل کو اکثر کے تابع کردیا جائے گا اور اقل کو معدوم کے درجہ میں مان لیا جائے گا۔

امام محمدؒ نے فرمایا: کہ حرمت رضاعت دونوں عورتوں سے ثابت ہوگی اور یہی امام زفرؒ کا بھی قول ہے وجہ یہ ہے کہ جنس اپنے جنس کے ساتھ ملنے سے اس طور پر مغلوب نہیں ہوتی کہ وہ بالکل معدوم اور ہلاک ہوجائے کیوں کہ جب دونوں کا مقصود ایک ہے۔ تو کوئی ایک بھی دوسرے مغلوب ہوکر ہلاک نہیں ہوگی چنانچہ جب کوئی بھی ہلاک ومعدوم نہ ہوگی تو ایک دوسرے کے تابع بھی نہ ہوگی۔ لہٰذا حرمت ان دونوں سے الگ الگ مستقل طور پر ثابت ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام صاحبؒ کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت صرف ایک عورت سے رضاعت کے ثابت کی ہے گویا کہ ایک میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں سے رضاعت ثابت ہو جائے گی تو گویا کہ ایک میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور یہ واضح رہے کہ اصل اختلاف باب قسم کے اندر ہے کہ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں بکری کا دودھ نہیں پیوں گا پھر محلوف علیہ بکری کے دودھ کے ساتھ دوسری بکری کا دودھ اتنا ملا دیا گیا کہ محلوف علیہ بکری کا دودھ مغلوب ہو گیا اور دوسری بکری کا غالب آ گیا پھر اس نے دودھ پی لیا تو امام محمدؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا اس لیے کہ شئی اپنی جنس کے ساتھ مل کر کثیر وقوی ہو جاتی ہے ہلاک نہیں ہوتی اور امام یوسفؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا کیوں کہ مغلوب مستہلک ومعدوم کے درجہ میں ہے۔

(فتح القدیر: ج ۳، ص ۴۳۴، فتح القدیر حاشیہ نمبر ۲، ص ۴۳۵)

ہدایہ ثانی: ص ۳۵۲

وَإِذَا حُلِبَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأُوْجِرَ الصَّبِيُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّؒ هُوَ يَقُولُ الْأَصْلُ فِي ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ إِنَّمَا هُوَ الْمَرْأَةُ ثُمَّ تَتَعَدّٰى إِلٰى غَيْرِهَا بِوَاسِطَتِهَا وَبِالْمَوْتِ لَمْ تَبْقَ مَحَلًّا لَهَا وَلِهٰذَا لَا يُوجِبُ وَطْيُهَا حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ شُبْهَةُ الْجُزْئِيَّةِ وَذٰلِكَ فِي اللَّبَنِ لِمَعْنَى الْإِنْشَاءِ وَالْإِنْبَاتِ وَهُوَ قَائِمٌ بِاللَّبَنِ وَهٰذِهِ الْحُرْمَةُ تَظْهَرُ فِي حَقِّ الْمَيْتَةِ دَفْنًا وَتَيْمِيمًا اَمَّا الْجُزْئِيَّةُ فِي الْوَطْيِ لِكَوْنِهِ مُلَاقِيًا لِمَحَلِّ الْحَرْثِ وَقَدْ زَالَ بِالْمَوْتِ فَافْتَرَقَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): عبارت کا مطلب ووضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

(ج): اما الجزئیتہ فی الوطی الخ سے دیئے گئے جواب کو واضح کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): ترجمہ: اور جب عورت کا دودھ نکالا گیا عورت کے مرنے کے بعد پھر بچے کے (منہ میں) ٹپکا دیا گیا تو اس سے حرمت (رضاعت) متعلق ہوگی بر خلاف امام شافعیؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ ثبوت حرمت میں اصل عورت ہی ہے پھر یہ حرمت، عورت کے واسطے سے غیر کی طرف متعدی ہوتی ہے اور موت کی وجہ سے عورت حرمت کا محل نہ رہی، اور اسی لیے اس عورت سے وطی حرمت مصاہر کو ثابت نہیں کرتی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ (حرمت کا) سبب جزئیت کا شبہ ہے اور یہ بات دودھ میں موجود ہے گوشت بڑھانے اور ہڈی اگانے کے معنی کے موجود ہونے کی وجہ سے اور یہ معنی دودھ سے قائم ہیں اور یہ حرمت اس مردہ عورت کے حق میں دفن کرنے اور یتیم کرانے کے اعتبار سے ظاہر ہوگی۔ رہا وطی میں جزء ہونا تو اس وجہ سے کہ وطی ایسے محل سے مل جاتی ہے جو کھیتی کا محل ہے اور وہ محل موت کی وجہ سے زائل ہو گیا پس دونوں مسئلے جدا جدا ہو گئے۔

(ب): واذا حلب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے مرجانے کے بعد اس کے پستان سے دودھ نکال کر کسی پیتی بچی کے منہ میں ٹپکا دیا تو ہمارے نزدیک حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

ھو یقول: امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرمت کا تعلق اصلاً عورت کے ساتھ ہوتا ہے پھر عورت کے واسطے سے دوسرے کی جانب یہ حرمت متعدی ہوتی ہے اور مذکورہ مسئلہ میں عورت چوں کہ مرچکی ہے اس لیے وہ حرمت کی محل نہیں رہی، چنانچہ اسی وجہ سے کہ عورت مرنے کے بعد حرمت کا محل نہیں رہتی، اگر کسی نے مردہ عورت سے جماع کر لیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اسی طرح یہاں بھی چوں کہ عورت کے مرنے کے بعد نکال کر پلایا گیا ہے۔ لہٰذا حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیوں محل حرمت ختم ہو چکا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ولنا: احناف کی دلیل یہ ہے: حرمت رضاعت، جزئیت کے شبہ کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے، اور جزئیت کا شبہ دودھ میں ہے کیونکہ دودھ سے ہڈی اور گوشت میں نماء (بڑھوتری) ہوتی ہے۔ لہٰذا جب عورت کا دودھ بچی کو پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

وھذہ الحرمۃ: اور اس حرمت کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب مثلاً ایک عورت مرگئی جس کے غسل و دفن کرنے کے لیے کوئی عورت و محرم نہیں ہے البتہ ایک دودھ پیتی بچی اور اس کا شوہر ہے پس اس مردہ عورت کا دودھ بچی کو پلا دیا گیا تو اس بچی کا شوہر اس مردہ عورت کا داماد بن گیا اور یہ عورت اس کی رضاعی خوش دامن بن گئی تو اب اس آدمی کے لیے درست ہے کہ وہ اس عورت کو تیمّم کرادے اور دفن کردے۔

أما الجزئية: امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ عورت، مرجانے سے محل حرمت نہیں رہ جاتی اسی لیے حرمت مصاہرت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کا تعلق اگرچہ جزئیت ہی کی وجہ سے ہے لیکن اس جزئیت کا تعلق محل حرمت سے ہے یعنی حرمت مصاہرت اس وقت ثابت ہوتی ہ جب کہ وطی محل حرث میں ہو اور مذکورہ مسئلہ میں عورت کے مرجانے سے محل حرمت زائل ہو گیا ہے لہٰذا حرمت بھی ثابت نہیں ہوگی کیوں کہ وطی محل حرمت میں نہیں ہے۔ اور حرمت مصاہرت کا سبب محل حرث میں وطی کا ہونا ہے۔ برخلاف حرمت رضاعت کے، اس میں حرمت، انشاء وانبات کی وجہ سے ہے اور انشاء وانبات دودھ میں موجود ہے کیوں کہ دودھ پینے سے گوشت اور ہڈی میں نماء ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں مسئلے الگ الگ ہیں۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۴

وَلَا يُقْبَلُ فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ، وَقَالَ مَالِكٌ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ إِمْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا كَانَتْ مَوْصُوفَةً بِالْعَدَالَةِ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِ الشَّرْعِ فَيَثْبُتُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لِخَبَرِ الْوَاحِدِ كَمَنِ اشْتَرَى لَحْمًا فَأَخْبَرَهُ وَاحِدٌ أَنَّهُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِ وَلَنَا أَنَّ ثُبُوتَ الْحُرْمَةِ لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فِي النِّكَاحِ وَإِبْطَالُ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): صورت مسئلہ کی وضاحت کے بعد جانبین کے دلائل کی تشریح کری۔

(ج): احناف کی جانب سے امام مالکؒ کے قیاس کا جواب تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور بے شک رضاعت دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوگی، اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوجائے گی جب کہ وہ عورت متصف بالعدالۃ ہو اس لیے کہ حرمت حقوق شرح میں سے ایک حق ہے۔لہٰذا وہ حق شرح خبر واحد سے ثابت ہوجائے گا جیسے کسی آدمی نے گوشت خریدا پھر اس کو ایک آدمی نے خبر دی کہ یہ آتش پرست کا ذبیحہ ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت نکاح میں زوال ملک سے جدائیگی قبول نہیں کرتا اور ابطال ملک صرف اور صرف دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے۔

(ب): **مطلب**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ثبوت رضاعت میں کن لوگوں کی شہادت قابل قبول ہے، سو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لیے شہادت کا عدد کامل ضروری ہے اسی لیے اگر تنہا عورتیں ہی عورتیں ہوں خواہ کتنی بھی ہوں ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی (اور یہی مطلب ہے منفرات کا) اسی طرح اگر صرف ایک مرد ہو تو اس کی گواہی کا اعتبار نہ ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام مالکؒ کے نزدیک ایک عورت کی گواہی بھی ثبوت رضاعت کے لیے کافی ہے بشرطیکہ وہ عورت متصف بالعدالتہ ہو۔

امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرمت ایک حق شرع ہے اور حق شرع امر دینی للہٰذا حرمت بھی امر دینی ہے اور امر دینی میں ایک فرد کی گواہی کافی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، للہٰذا رضاعت بھی ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی اور اس کی نظیر یہ ہے کہ آدمی نے گوشت خریدا پھر کسی نے اس کو اطلاع دی کہ یہ گوشت آتش پرست کے ذبیحہ کا ہے تو ایک فرد کی گواہی سے گوشت حرام ہو جائے گا نہ کھلانا جائز ہوگا اور نہ کھانا اسی طرح یہاں بھی ایک فرد سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ رضاعت سے ثابت ہونے والی حرمت نکاح میں زوال ملک سے علیحدہ نہیں ہو سکتی، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ حرمت رضاعت تو ثابت ہو جائے اور ملک نکاح باقی رہے بلکہ جب بھی حرمت رضاعت ثابت ہوگی ملک نکاح کا زوال ہو جائے گا اور زوال ملک کے لیے دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ للہٰذا تنہا مرد یا عورتوں کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت نہیں ہوگا۔

(ج): امام مالکؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ رضاعت کی حرمت صرف حق شرع نہیں ہے کہ ایک فرد کی گواہی بھی قبول کر لی جائے بلکہ حق العبد بھی ہے۔ چنانچہ جب وہ حق شرع یعنی امر دینی بھی ہے کہ حرمت ثابت ہو رہی ہے اور حق العبد بھی ہے کہ زوال ملک ہو رہا ہے تو مکمل عددِ شہادت کا اعتبار ہوگا یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، برخلاف گوشت کے مسئلے کے کہ وہاں صرف حق اللہ اور حق شرع ہے۔ حق العبد نہیں ہے۔ للہٰذا وہاں ایک فرد کی گواہی قابل قبول ہوگی حق اللہ تو اس اعتبار سے ہے کہ گوشت کی حرمت ثابت ہو جائے گی نہ کھانا جائز ہوگا اور نہ کھلانا۔ اور حق العبد نہیں پایا جا رہا ہے کیوں کہ وہ گوشت اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگا اور بہت سی چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ حرام تو ہوں لیکن ملکیت سے خارج نہ ہو جیسے ایک کافر کے پاس شراب ہے پھر وہ مسلمان ہو گیا تو شراب پینا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تو حرام ہے لیکن ملکیت باقی ہے اسی طرح میتہ، اس کا کھانا حرام ہے لیکن ملکیت باقی ہے۔ حاصل یہ کہ گوشت پر قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ وہ صرف امر دینی ہے اور رضاعت امر دینی کے ساتھ حق العبد بھی ہے۔ لہٰذا رضاعت کے لیے شہادت کا مکمل عدد ضروری ہے اور وہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں اور اس کے بغیر حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۶

وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوْزُ عَقِيْبَ الْجِمَاعِ لِأَنَّهُ لَا يُؤَدِّيْ إِلَى اشْتِبَاهِ وَجْهِ الْعِدَّةِ وَزَمَانُ الْحَبَلِ زَمَانُ الرَّغْبَةِ فِي الْوَطْيِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ مُعَلَّقٍ أَوْ فِيْهَا لَمَكَانِ وَلَدِهِ مِنْهَا فَلَا يَقِلُّ الرَّغْبَةُ بِالْجِمَاعِ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): عبارت کو حل کرتے ہوئے مختصر مطلب لکھیے۔

(ج): بتائیے کہ طلاق کیوں مشروع ہے؟

(د): غیر حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا کیوں ممنوع ہے؟

الجواب

(الف): **ترجمہ**: جماع کرنے کے بعد حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے، اس لیے کہ یہ جماع وجہ عدت کے مشتبہ ہونے تک نہیں پہونچاتا اور حمل کا زمانہ وطی میں رغبت کا زمانہ ہے وطی کے حمل نہ ٹھہرانے کی وجہ سے، یا عورت میں رغبت کا زمانہ ہے، عورت کا اس کے بچہ کا مکان ہونے کی وجہ سے۔ چنانچہ جماع سے رغبت کم نہیں ہوگی۔

(ب): **تشریح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ سے وطی کر لینے کے بعد طلاق دینا درست ہے یعنی گناہ نہیں ہے اور طلاق دینے سے مانع دو چیزیں ہوسکتی تھیں۔ اول یہ کہ جماع کے بعد طلاق دینے عدت کا طریقہ مشتبہ ہوجائے گا کہ وہ عدت حیض سے گزارے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

گی، یا حمل ٹھرانے کی وجہ سے وضع حمل کے ذریعہ، لیکن یہاں عدت میں اشتباہ نہیں ہے کیوں کہ وہ پہلے سے ہی حاملہ ہے لہٰذا عدت وضع حمل متعین ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہوسکتی تھی کہ جماع سے رغبت کم ہوگئی ہے چنانچہ اب طلاق دینے میں ہوسکتا ہے کہ طبیعت کا دخل ہو نہ کہ مصلحت کا، تو یہ مانع نہیں ہے کیوں کہ جو وطی حمل ٹھہرانے والی نہ ہو اس میں رغبت رہتی ہے یا یہ کہ وہ عورت میں رغبت ہو کیوں کہ وہ اس کے بچہ کو اپنے پیٹ میں پال رہی ہے اور اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور محبت میں اضافہ وطی کا تقاضا کرتی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جماع کی وجہ سے رغبت کم نہیں ہوئی اور عدت بھی مشتبہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں طلاق دے رہا ہے تو ضرور کوئی مصلحت ہوگی۔ لہٰذا طلاق درست ہوگی یعنی گناہ نہ ہوگا۔ (حاشیہ ہدایہ ثانی)

(ج): طلاق کیوں مشروع ہے؟ کیوں کہ عدم مشروعیت کی دونوں وجہیں یعنی اشتباہ عدت، اور قلتِ رغبت دونوں مفقود ہیں۔ لہٰذا طلاق مشروع ہے یعنی گناہ نہیں ہے۔ باقی مزید تفصیل تشریح میں دیکھیں۔

(د): غیر حاملہ کو طلاق دینا کیوں ممنوع ہے؟ غیر حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا دو وجہ سے ممنوع ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عدت مشتبہ ہو جائے گی اس لیے کہ عدت حیض سے ہوگی یا وضع حمل سے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جماع سے رغبت کم ہو جاتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ قلتِ رغبت کی وجہ سے طلاق دی ہو نہ کہ مصلحت کی وجہ سے۔

ہدایہ ثانی: ص/٣٥٧

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِأَنَّ النَّهْيَ عَنْهُ لِمَعْنًى فِيْ غَيْرِهِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا فَلَا يَنْعَدِمُ مَشْرُوْعِيَّتُهُ وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعُمَرَ: مُرْ اِبْنَكَ فَلْيُرَاجِعْهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا فِي الْحَيْضِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔
(ب): تشریح کریں۔
(ج): حدیث کس بات کا فائدہ دے رہی ہے نیز رجوع کرنا حالتِ حیض میں طلاق دینے کے بعد واجب ہے یا مستحب؟۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر آدمی اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوجائے گی اس لیے کہ (حالت حیض میں طلاق دینے سے) منع کرنا ایک ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو اس کے غیر میں ہے اور وہ وہی ہے جو ہم نے بیان کردیا ہے۔ پس حالت حیض میں طلاق کا مشروع ہونا منعدم نہیں ہوگا، اور مرد کے لیے مستحب ہے کہ اس سے رجعت کرلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمرؓ کو یہ کہنے کی وجہ سے کہ "تم اپنے لڑکے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجعت کرلے اس حال میں کہ (عمر کے بیٹے نے) اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی۔

(ب): **تشریح**: قولہ اذا طلق...... اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو حالت حیض میں طلاق دیدے تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ طلاق فی نفسہٖ مشروع ہے اور حالت حیض میں طلاق دینے کی جو ممانعت ہے وہ امر خارج کی وجہ سے ہے اور وہ عدت کا طویل ہوجانا ہے کیوں کہ جب وہ حیض میں طلاق دے گا تو وہ حیض جس میں شوہر نے طلاق دی ہے عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ پس اس طرح عدت لمبی ہوجائے گی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت غیر کی وجہ سے ہے اور وہ تطویل عدت ہے پس طلاق کی مشروعیت یعنی طلاق واقع ہوجانا یہ معدوم نہیں ہوگا بلکہ طلاق پڑجائے گی البتہ گناہ ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ویستحب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس سے رجعت کر لے اس لیے کہ جب عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اپنے لڑکے سے کہو کہ وہ رجعت کر لے۔

(ج): مذکورہ حدیث اس بات کا فائدہ دے رہی ہے کہ طلاق حیض میں واقع ہوجائے گی کیوں کہ رجعت بغیر طلاق کے متصور نہیں ہوتی اور رجعت پر ابھارنے کا بھی فائدہ دے رہی ہے یعنی حالت حیض میں طلاق دینے والے کو رجعت کر لینی چاہیے۔

رجعت: مستحب ہے یا واجب؟ صحیح قول کے مطابق رجعت کرنا واجب ہے

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۸

طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَاخْتِيَارُ الْكَرْخِيِّ وَالطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ لَا يَقَعُ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيِ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ صِحَّةَ الْقَصْدِ بِالْعَقْلِ وَهُوَ زَائِلُ الْعَقْلِ فَصَارَ كَزَوَالِهِ بِالْبَنْجِ وَالدَّوَاءِ وَلَنَا أَنَّهُ زَالَ بِسَبَبٍ هُوَ مَعْصِيَةٌ فَجُعِلَ بَاقِيًا حُكْمًا زَجْراً لَهُ حَتّٰى لَوْ شَرِبَ فَصُدِّعَ وَزَالَ عَقْلُهُ بِالصُّدَاعِ نَقُوْلُ إِنَّهُ لَا يَقَعُ طَلَاقُهُ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب تحریر کریں۔

(ج): طلاق سکران کے سلسلے میں امام شافعی کے قول اور ان کی دلیل کی وضاحت کریں اور احناف کے مسلک کو مدلل تحریر کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور نشہ میں مست شخص کی طلاق واقع ہے اور کرخی وطحاوی کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ واقع نہ ہوگی اور یہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایک قول ہے، اس لیے کہ ارادہ کا صحیح ہونا عقل کے ساتھ ہے اور وہ زائل العقل ہے تو ایسا ہو گیا جیسے اس کی عقل بھنگ یا دوا سے زائل ہو گئی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کی عقل ایک ایسے سبب سے زائل ہوئی ہے جو معیصت ہے۔ لہٰذا اس کی عقل کو حکماً باقی رکھا گیا اس کی توبیخ کے لیے چنانچہ اگر اس نے شراب پی پھر دردِ سر ہوا کہ جس سے عقل زائل ہو گئی تو ہم کہیں گے کہ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

(ب): مسئلہ یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تو امام کرخی، طحاوی اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ طلاقِ سکران واقع نہ ہوگی اور ہمارے نزدیک اگر کسی نے قصداً یعنی جانتے ہوئے کہ شراب ہے بلا ضرورت پی گیا اور پھر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

نوٹ: اولاً یہ واضح رہے کہ سکران سے مراد ایسا نشہ ہے کہ آدمی کو کچھ بھی خبر نہ ہو حتیٰ کہ وہ آسمان زمین میں بھی امتیاز نہ کر سکے ایسے سکر میں اختلاف ہے، اسی لیے ہم نے (نشہ میں مست) ترجمہ کیا ہے۔ (فتح القدیر: ج۳/ص۴۷۲)

(ج): دلائل: امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ طلاق سکران واقع نہ ہوگی اور یہی امام کرخی وطحاوی کا مختار مذہب ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ ارادۂ طلاق کے درست ہونے کے لیے عقل ہونا ضروری ہے اور سکران میں عقل نہیں ہے، کیوں کہ وہ یعنی عقل نشہ کی وجہ سے اتنا مغلوب ہو چکی ہے گویا کہ معدوم ہو گئی تو یہ ایسی ہو گئی جیسے کہ بھنگ اور دوا سے عقل زائل ہو جائے اور بھنگ اور دوا سے عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے طلاق نہیں ہوتی۔ لہٰذا نشہ سے عقل زائل ہونے کی صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہاں زوالِ عقل ایک معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو عذر تسلیم نہ کیا جائے گا بلکہ حکماً کہا جائے گا کہ عقل باقی ہے۔ چناں چہ جب عقل باقی ہے تو ارادۂ طلاق بھی درست ہوا اور جب ارادۂ طلاق درست ہوا تو طلاق بھی واقع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو جائے گی۔ ہاں اگر شراب یا نشہ کی چیزوں میں سے کسی اور چیز کے پینے کی وجہ سے درد سر ہو گیا اور اس درد کی وجہ سے زوالِ عقل ہو گیا تو طلاق واقع نہ ہو گی کیوں کہ اب اس صورت میں وہ معذور ہے اور درد سر نشہ کے لیے لازم نہیں بلکہ اتفاق ہے۔ لہٰذا عقل کو نشہ کی وجہ سے زائل نہ مانا جائے گا بلکہ امر خارج کی وجہ سے یہ زوائل ہوا ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہو گی۔

اور امام شافعیؒ کا بھنگ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اولاً خود متقدمین میں اس کے حرام وحلال ہونے میں اختلاف ہے لیکن اگر حلت تسلیم کر لی جائے تو بھنگ کا استعمال ضرورت کی وجہ سے عموماً ہوتا ہے اور حرام شئی بھی بقدر ضرورت جائز ہوتی ہے۔ لہٰذا زوال عقل بھنگ میں معصیت کی وجہ سے نہ ہوا ہاں اگر بلا ضرورت یوں ہی کھا لیا تو طلاق واقع ہو جانی چاہیے۔ جیسا کہ عبدالعزیز ترمذی سے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر اسے معلوم ہے کہ یہ بھنگ ہے اور بلا ضرورت پی رہا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (فتح القدیر: ج۳، ص۴۷۳)

نوٹ: صاحب ہدایہ نے فرمایا "سکر کی وجہ سے عقل زائل ہو گئی ہے" اس میں ذرا تسامح ہے کیوں کہ اگر زوالِ عقل مان لیں تو پھر نشہ والے پر احکام شرعیہ لاگو نہیں ہونے چاہئیں حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے۔ جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ نشہ سے عقل حد درجہ مغلوب ہو جاتی ہے اسی کو مصنف نے زوالِ عقل سے تعبیر کر دیا ہے۔

(فتح القدیر: ج۳، ص۴۷۲)

کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آپ نے نشہ کو عذر قرار نہیں دیا اور طلاق واقع کر دی اس وجہ سے کہ معصیت ہے اور معصیت رخصت ہوتی نہیں۔ لہٰذا سفر بھی جب معصیت والا ہو تو رخصت نہیں ہونی چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ سفر فی نفسہ معصیت نہیں ہے بلکہ اس کی ابتداء یا انتہاء بغیر معصیت کے ہو سکتی ہے، برخلاف شراب کے یا نشہ کے کہ وہ بعینہ معصیت ہے۔ (فتح القدیر: ج۳، ص۴۷۲)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص/۳۵۹

وَطلاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْداً وَطلاقُ الْحُرَّةِ ثَلْثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْعَبْدًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ عَدَدُ الطَّلَاقِ مُعْتَبَرٌ بِحَالِ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

(الف): ترجمہ ومطلب لکھیں۔

(ب): عدد طلاق کے معتبر ہونے کے سلسلے میں امام شافعیؒ واحناف کی دلیل عقلی نیز امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کی توجیہ بھی قلم بند کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور باندی کی طلاق دو ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو، اور آزاد عورت کی تین طلاق ہیں، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، اور امام شافعیؒ نے فرمایا: طلاق کا عدد مردوں کے حال پر معتبر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے "الطلاق بالرجال الخ" (طلاق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت عورتوں کے ساتھ) اور ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "طلاق الأمة ثنتان الخ" باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔

تشریح: اس عبارت میں طلاق کی تعداد کے سلسلے میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق کے عدد کے سلسلے میں مرد کا اعتبار ہے یعنی آزاد مرد کو تین طلاق اور غلام کو دو طلاق دینے کا اختیار ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی، اور ہمارے نزدیک طلاق کی تعداد عورت کے اعتبار سے ہے یعنی باندی ہے تو دو طلاق کا شوہر کو اختیار ہوگا خواہ وہ شوہر غلام ہو یا آزاد، اور اگر بیوی آزاد ہے، تو تین طلاق کا اختیار ہوگا، اور امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

"طلاق مردوں کے اعتبار سے ہے اور عدت عورتوں کے اعتبار سے" اور احناف کی دلیل "طلاق الامۃ الخ" ہے۔

(ب): امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالکیت کی صفت ایک کرامت اور نعمتِ الٰہی ہے، اور آدمیت اس کرامت کی مقتضی ہے اللہ نے فرمایا "ولقد کرمنا بنی آدم" اور آدمیت کے معنی آزاد کے اندر مکمل طور پر پایا جارہا ہے۔ لہٰذا آزاد کا مالک ہونا بھی غلام سے بڑھ کر ہوگا لہٰذا وہ تین طلاق کا مالک ہوگا اور غلام دو طلاق کا مالک ہوگا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا نکاح کے ذریعہ حلال ہوجانا عورت کے حق میں نعمت ہے اور رقیت کا نعمت کی تنصیف میں اثر ہوا کرتا ہے جیسا کہ عقوبت کے اندر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تین طلاق آزاد کے لیے ہوئیں تو باندی کے لیے اس کا آدھا یعنی ڈیڑھ ہوئی مگر طلاق میں تنصیف نہیں ہوتی، اسی وجہ سے آدھی کو ایک کردیا جائے گا، اور اس کے لیے مکمل دو طلاق ہوجائیں گی۔

امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کی توجیہ: یہ ہے کہ طلاق کو واقع کرنے کا تعلق مرد سے ہے عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ عورت کا کام عدت گذارنا ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۰

قَالَ: وَلاَ يَقَعُ بِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَإِنْ نَوىٰ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَقَعُ مَانَوىٰ لِأَنَّهُ مُحْتَمَلُ لَفْظِهِ فَإِنَّ ذِكْرَ الطَّالِقِ ذِكْرٌ لِلطَّلَاقِ لُغَةً كَذِكْرِ الْعَالِمِ ذِكْرٌ لِلْعِلْمِ وَلِهٰذَا يَصِحُّ قِرَانُ الْعَدَدِ بِهِ فَيَكُونُ نَصَبًا عَلَى التَّفْسِيرِ وَلَنَا أَنَّهُ نَعْتُ فَرْدٍ حَتّٰى قِيلَ لِلْمُثَنّٰى طَالِقَانِ وَلِلثَّلٰثِ طَوَالِقُ فَلَا يَحْتَمِلُ الْعَدَدَ لِأَنَّهُ ضِدُّهُ.

(الف): ترجمہ کریں اور مطلب تحریر کریں۔

(ب): امام شافعیؒ کے استدلال "فان ذکر الطالق ذکر للطلاق" کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وضاحت کر کے اس کا جواب صاحب ہدایہ کے بیان کی روشنی میں تحریر کریں۔

(ج): ''انت طالق ثلاثا'' میں ثلاثا کا موصوف بتلائیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور مذکورہ تینوں لفظوں (أنت طالق، مطلقة، طلقتک) سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس نے ایک سے زائد کی نیت کی ہو اور امام شافعیؒ نے فرمایا: جو اس نے نیت کی ہے وہ واقع ہوگی اس لیے کہ نیت کردہ طلاق کا لفظ ''طالق'' میں احتمال ہے اس لیے کہ طالق کا ذکر، طلاق کا ذکر ہے لغت کے اعتبار سے۔ جیسے ''عالم'' کا ذکر علم کا ذکر ہے۔ اور اسی لیے ''طالق'' کے ساتھ عدد کا ملانا درست ہے چنانچہ وہ (عدد مثلاً ثلاثا) ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طالق ایک فرد کی صفت ہے اسی لیے دو ''تثنیہ'' کے لیے طالقان اور تین کے لیے طوالق کہا گیا ہے لہٰذا یہ (نعت فرد) عدد (دو اور تین) کا احتمال نہیں رکھے گا اس لیے کہ فرد، عدد کی ضد ہے۔

تشریح: ماقبل میں بیان کیا گیا تھا کہ ''انت طالق، ومطلقة وطلقتک'' ان تینوں الفاظ سے طلاق رجعی ہوتی ہے۔ اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں الفاظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس نے ایک سے زائد کی نیت کی ہو لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جتنی طلاق کی نیت کی ہو اتنی واقع ہوگی خواہ ایک کی نیت کی ہو یا تین کی، یہی قول امام مالکؒ امام زفرؒ اور احمدؒ کا بھی ہے۔ (عین الہدایہ: ج ۲/ص ۱۶۰)

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جب اس نے انت طالق کہا تو ''طالق'' تین طلاق کا احتمال رکھتا ہے اس لیے کہ طالق لغت کے اعتبار سے طلاق کو متضمن ہے کیوں کہ طالق مشتق ہے اور طلاق مشتق منہ ہے اور مشتق میں مشتق منہ ملحوظ ہوتا ہے اور یہ بات آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ طلاق ایک اور ایک سے زیادہ سب کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا طالق بھی ایک اور ایک سے زیادہ کا احتمال رکھے گا، اسی لیے کہ طالق ایک اور زیادہ کا احتمال رکھتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طالق کے ساتھ عدد کا ملانا درست ہے مثلاً ''انت طالق ثلاثاً'' کہنا درست ہے اور ثلاثا تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا اور تمیز محتمل کی تعیین کے لیے آتی ہے تو معلوم ہوا کہ طالق ایک سے زیادہ کا احتمال رکھتا ہے۔

الغرض انت طالق سے ایک سے زیادہ بھی طلاق پڑ جائے گی اگر شوہر ایک سے زیادہ کی نیت کرلے۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ طالق ایک فرد کی صفت ہے یعنی ایک عورت کی صفت ہے اسی لیے دو عورتوں کے لیے طالقان اور تین کے لیے طوالق کہتے ہیں۔ لہٰذا ''طالق'' عدد کا احتمال نہیں رکھے گا کیوں کہ عدد، فرد کی ضد ہے اور کوئی شئی اپنی ضد کا احتمال نہیں رکھتی لہٰذا ''طالق'' بھی عدد کا محتمل نہیں ہوگا۔

(ب): امام شافعیؒ نے فرمایا: کہ طالق کا ذکر طلاق کے ذکر کو متضمن ہے جیسے عالم کا ذکر علم کو متضمن ہے اس لیے کہ طالق مشتق ہے اور طلاق مشتق منہ اور مشتق مشتق منہ کو متضمن ہوتا ہے لہٰذا طالق بھی متضمن ہوگا اور طلاق بالاتفاق ایک سے زیادہ کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا طالق بھی رکھے گا اس لیے کہ طالق اسی (طلاق) سے مشتق ہے۔

جواب: طالق اگر چہ طلاق کو متضمن ہے لیکن اس طلاق کو متضمن ہے جس کے ساتھ عورت متصف ہوتی ہے نہ کہ اس طلاق کو جو تطلیق ہے اور تعدد کا احتمال اس طلاق میں ہے جو تطلیق کے معنی میں ہے نہ کہ اس طلاق میں جو عورت کی صفت ہے۔ لہٰذا طالق عدد کا احتمال نہیں رکھے گا اس لیے کہ یہ (طالق) عورت کی صفت ہے۔

(ج): ''انت طالق ثلاثا'' میں ثلاثا طلاقا کی صفت ہے ''ای انت طالق طلاقًا ثلاثاً'' ہدایہ میں یہی مذکور ہے۔

نوٹ: لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ثلاثًا کا موصوف تطلیقًا مانا جائے اس لیے کہ طلاق تطلیق سے ہی پڑتی ہے نہ کہ طلاق سے۔ اب عبارت ہوگی ''انت طالق تطلیقاً ثلاثا''۔

(عین الہدایہ: ج ۲/ص ۱۶۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۱

وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلٰى جُمْلَتِهَا أَوْ مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِأَنَّهُ أُضِيفَ إِلٰى مَحَلِّهِ وَذٰلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ أَنْتِ طَالِقٌ لِأَنَّ التَّاءَ ضَمِيرُ الْمَرْأَةِ أَوْ يَقُولُ رَقَبَتُكِ طَالِقٌ أَوْ عُنُقُكِ طَالِقٌ أَوْ رَأْسُكِ طَالِقٌ أَوْ رُوحُكِ أَوْ جَسَدُكِ أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): عبارت میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے مع دلیل اس کی وضاحت کیجیے۔

(ج): صاحب ہدایہ نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان کو دلیل کے ساتھ لکھیے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور جب اس نے طلاق کو تمام عورت کی طرف منسوب کیا یا اس حصہ کی طرف جس سے تمام کو تعبیر کیا جاتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اس لیے کہ طلاق کو اس کے محل کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ مثلاً کہے "انت طالق" اس لیے کہ تاء عورت کی ضمیر ہے یا کہے تیری گردن طلاق والی ہے یا تیری گردن طلاق والی ہے یا تیرا سر طلاق والا ہے یا تیری روح یا تیرا بدن یا تیرا جسم یا تیری فرج یا تیرا چہرہ طلاق والا ہے۔

(ب): اس عبارت میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص طلاق کی نسبت تمام اور کل عورت کی طرف کر دے یا اس کے ایسے جزء کی طرف کرے جس سے کل حصہ کو تعبیر کیا جاتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ اس نے طلاق کو محلِ طلاق کی طرف منسوب کیا ہے لہٰذا طلاق واقع ہوگی۔ کل اور جمیع عورت کی طرف منسوب کر کے طلاق دینے کی مثال "انت طالق" ہے کیوں انت میں تاء مؤنث ہے جس سے جمیع کو تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک جزء کی مثال مثلاً رقبتک طالق ہے وغیرہ الیٰ آخرہ۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج): انت طالق تو ظاہر ہے کیوں کہ انتِ سے تمام عورت ہی مراد ہوتی ہے۔

رقبتک طالق سے اس لیے طلاق ہوگی کیوں کہ محاورہ میں گردن بول کر پوری ذات مراد لیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ میں نے ایک رقبہ آزاد کیا اور اللہ کا قول ہے "فتحریر رقبة" (عین الہدایہ: ج/۲، ص/۲۶۳) عنقک عنق سے بھی طلاق ہوجائے گی کیوں کہ عنق بول کر ذات مراد لیا جاتا ہے جیسے اللہ کا قول "فظلّت اعناقهم لها خاضعين" (ہدایہ ثانی: ص/۳۶۱) رأسک: اس سے بھی ذات مراد لی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے فلان رأس القوم۔ روحک: اس سے بھی ذات مراد لی جاتی ہے دلیل یہ ہے کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے "هلک روح فلان" اور روح بول کر ذات مراد لیا جاتا ہے۔ بدنک او جسدک: یہ دونوں الفاظ تو جمیع عورت پر بولے جانے پر ظاہر ہیں کیونکہ ان سے تمام عورت ہی مراد ہوتی ہے۔ فرجک: محاورہ میں اس سے بھی کل ذات مراد لی جاتی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "لعن الله الفروج على السروج" اور فروج سے ذوات الفروج مراد ہے۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن کلام عرب کا استعمال تو ثابت ہوگیا اور یہ کافی ہے جزء بول کر کل مراد لینے میں۔ (عین الہدایہ: ج/۲، ص/۱۶۳)

وجھک: اس کو بھی بول کر ذات مراد ہوتی ہے دلیل یہ ہے کہ عرب میں استعمال ہے "فلان وجه القوم" لهٰذا ہر وہ جزء جس کو بول کر محاورہ میں ذات مراد لی جاتی ہے اس کی جانب طلاق کی نسبت کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۲

وَإِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ أَوْ ثُلُثَ تَطْلِيقَةٍ كَانَتْ طَالِقًا تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتَجَزّٰى وَذِكْرُ بَعْضِ مَالَا يَتَجَزّٰى كَذِكْرِ الْكُلِّ وَكَذَا الْجَوَابُ فِيْ كُلِّ جُزْءٍ سَمَّاهُ لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثَةَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اَنْصَافِ تَطْلِيقَتَيْنِ فَهِيَ ثَلَثًا لِأَنَّ نِصْفَ التَّطْلِيقَتَيْنِ تَطْلِيقَةٌ فَإِذَا جُمِعَ بَيْنَ ثَلثَةِ اَنْصَافٍ تَكُوْنُ ثَلثُ تَطْلِيقَاتٍ ضَرُوْرَةً.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): عبارت میں ذکر کردہ مسائل اور دلائل کی تشریح کریں۔

(ج): كذا الجواب الخ کی مثال دے کر وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): ترجمه: اور اگر اس کو (عورت کو) ایک طلاق کا نصف طلاق دیا یا ایک طلاق کا تہائی تو وہ ایک طلاق والی ہوگی، کیوں کہ طلاق متجزی نہیں ہوتی، اور بعض مالا یتجزیٰ کا ذکر کل کے ذکر کے مانند ہے اور یہی حکم ہر ایسے جزء میں ہے جس کو بیان کیا ہو، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اگر عورت سے کہا کہ تو دو طلاقوں کے تین نصف والی ہے تو یہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ مطلقہ ہوگی۔ کیوں کہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے۔ پس تین نصف جمع کئے گئے تو تین طلاقیں ہوں گی ضروری طور پر۔

(ب): مسائل کی تشریح مع دلائل: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو آدھی طلاق دی مثلاً کہا "انت طالق نصف تطليقة" یا ایک ثلث طلاق دی مثلاً کہا "انت طالق ثلث تطليقة" تو ان دونوں صورتوں میں ایک طلاق ہوگی۔

دلیل: یہ ہے کہ اس نے ایسی شئی کی تجزی کی ہے جس کے اجزاء ہو نہیں سکتے کیوں کہ طلاق تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ پس طلاق کے جزء کو ذکر کرنے سے یہ مان لیا جائے گا کہ اس نے پوری طلاق دی ہے۔ لہٰذا ایک طلاق واقع ہو جائے گی تا کہ عاقل بالغ سے صادر ہونے والا کلام لغو نہ ہو۔ (حاشیہ ہدایہ: ص ۳۶۲)

(ج): كذا الجواب في الخ: یعنی اسی طرح وہ طلاق کا کوئی سا بھی جزء ذکر کرے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مثلاً کہے "طلقت ربع تطليقة يا عشر تطليقة" تب بھی ایک طلاق پڑ جائے گی۔ دلیل وہی ہے جو گزری کہ طلاق تجزی کو قبول نہیں کرتا پس جزء کا ذکر کرنا گویا کل کا ذکر کرنا ہے۔

ولو قال انت طالق ثلثة انصاف تطليقتين: یعنی اگر کسی نے کہا تجھے دو طلاق کا تین نصف، پس اس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی، کیوں کہ دو طلاق کا ایک نصف ۲۔۱ ایک ہے تو ایک طلاق ایک نصف ہوا اب دو نصف اور شمار کرلو تین طلاق ہوں گی۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں تین طلاق پڑ جائیں گی۔ اور دو طلاق کا تین نصف کی صورت میں تین ہوں گی یہ بالکل بدیہی بات ہے ذرا سا غور کرلو سمجھ میں آ جائے گا۔ (انشاء اللہ)

ہدایہ ثانی: ص ۳۶۳/۳

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فِيْ ثِنْتَيْنِ وَنَوَى الضَّرْبَ والْحِسَابَ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَقَالَ زُفَرُ تَقَعُ ثِنْتَانِ لِعُرْفِ الْحِسَابِ، وَلَنَا أَنَّ عَمَلَ الضَّرْبِ فِيْ تَكْثِيرِ الْأَجْزَاءِ لَا فِيْ زِيَادَةِ الْمَضْرُوبِ وَتَكْثِيرُ أَجْزَاءِ التَّطْلِيْقَةِ لَا يُوْجِبُ تَعَدُّدَهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): صورت مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے جانبین کے دلائل کی تفصیل کریں۔

(ج): اس صورت مسئلہ میں اگر متکلم کی کوئی نیت نہ ہوتو کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر اس نے "انت طالق واحدة في ثنتين" کہا اور ضرب وحساب کی نیت کی تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دو طلاق واقع ہو جائیں گی حساب کے عرف کی وجہ سے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ضرب کا عمل اجزاء کی تکثیر میں ہے نہ کہ مضروب کی زیادتی میں اور ایک طلاق کے کثیر اجزاء طلاق کے متعدد ہونے کو ثابت نہیں کرتے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ''انت طالق واحدةً فی ثنتین'' کہا اور ضرب کی نیت کی تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟ امام زفرؒ فرماتے ہیں (اور ایک صورت میں امام مالک اور شافعیؒ کا بھی یہی کہنا ہے۔ (فتح القدیر: ج/۴، ص/۲۰) کہ دو طلاق واقع ہوجائیں گی یہی حسن ابن زیاد کا قول ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ فقط ایک طلاق واقع ہوگی۔

امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عرف میں اس طرح جب بولا جاتا ہے تو ضرب اور حساب ہی مراد ہوتا ہے اس لیے دو طلاق واقع ہوں گی۔

احناف کی دلیل: یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں نہ طول ہوتا ہے نہ عرض اور نہ عمق اور دوسری وہ ہوتی ہیں جس میں یہ تینوں چیزیں ہوتی ہیں اور ضرب سے مضروب کی تعداد میں اضافہ دوسری قسم کی چیزوں میں ہوتا ہے نہ کہ پہلی قسم کی چیزوں میں اور طلاق پہلی قسم میں سے ہے۔ چنانچہ مضروب میں اضافہ نہیں ہوگا۔ البتہ اس کے اجزاء میں تکثیر ہوجائے گی جیسے ''انت طالق واحدة فی ثنتین'' میں ''واحدة'' کے اندر زیادتی نہیں ہوگی البتہ اسی واحدة کے اجزاء کثیر ہوجائیں گے اور اجزاء کی کثرت سے طلاق میں اضافہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۲۱۹)

(ج): اگر متکلم نے کوئی بھی نیت نہ کی تو بھی ایک طلاق واقع ہوگی۔

نوٹ: ضرب کی تعریف: ''تضعف احد العددين بعدد الأخر''

(فتح القدیر: ج/۴، ص/۲۱)

ہدایہ ثانی: ص: ۳۶۴

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ فِيْ غَدٍ وَقَالَ نَوَيْتُ اٰخِرَ النَّهَارِ دُيِّنَ فِي الْقَضَاءِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يُدَيَّنُ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ وَصَفَهَا بِالطَّلَاقِ فِيْ جَمِيْعِ الْغَدِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ غَدًا عَلٰى مَا بَيَّنَّا وَلِهٰذَا يَقَعُ فِيْ أَوَّلِ جُزْءٍ مِنْهُ عِنْدَ عَدَمِ النِّيَّةِ وَهٰذَا لِأَنَّ حَذْفَ ''فِيْ'' وَإِثْبَاتَهُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سَوَاءٌ لِأَنَّهُ ظَرْفٌ فِي الْحَالَيْنِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ لِأَنَّهُ كَلِمَةُ فِي لِلظَّرْفِ وَالظَّرْفِيَّةُ لَا تَقْتَضِي الْاِسْتِيعَابَ بِخِلَافِ قَوْلِهِ غَدًا، لِأَنَّهُ يَقْتَضِي الْاِسْتِيعَابَ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب بیان کرتے ہوئے امام صاحب نے "غداً" و "فی غد" میں دوفرق بیان فرمایا ہے اس کی وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور اگر شوہر نے "انت طالق فی غد" کہا (تجھ کو کل کے دن میں طلاق ہے) اور اس نے کہا کہ میں نے دن کے آخری حصہ کی نیت کی ہے تو قضاء میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا کہ قضاء میں خاص طور سے تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ اس نے عورت کو طلاق کے ساتھ تمام غد میں متصف کیا ہے تو یہ اس کے قول "غداً" کے درجہ میں ہوگیا اس طریقہ پر جو ہم بیان کر چکے ہیں اور اسی لیے نیت کے نہ ہونے کے وقت غد کے اول جزء میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ اس لیے کہ "فی" کا حذف اور اس کا ثابت رکھنا برابر ہے اس لیے کہ "غد" دونوں حالتوں میں ظرف ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت کی نیت کی ہے اس لیے کہ کلمہ "فی" ظرف کے لیے ہے اور ظرفیت استیعاب کا (مکمل طور پر گھیرنے اور احاطہ کرنے کا) تقاضا نہیں کرتا برخلاف اس کے قول غداً کے اس لیے کہ وہ استیعاب کا تقاضا کرتا ہے۔

(ب): خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا "انت طالق فی غدٍ" اور اس نے کہا کہ میں نے غد کے جزء اخیر میں طلاق دینے کی نیت کی ہے تو سب کے نزدیک دیانۃً

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاءً تصدیق کی جائے گی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

امام صاحب کے نزدیک قضاء بھی تصدیق کی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک نہیں کی جائے گی۔

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ اس نے ''في غد'' میں طلاق کو تمام غد کی طرف منسوب کیا ہے تو یہ ''انت طالق غداً'' کی طرح ہو گیا پس جیسے غداً کی صورت میں غداً کے جزء کی نیت کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ خلاف ظاہر کی نیت ہے۔ اسی طرح فی غد میں بھی آخری جزء میں طلاق کی نیت کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اور اس لیے کہ اس نے عورت کو طلاق کے ساتھ جمیع غد میں متصف کیا ہے اسی لیے نیت کے نہ ہونے کے وقت بالاتفاق ''غد'' ''في'' کے حذف کے وقت عمومِ زبان کا فائدہ دیتا ہے تو ''في'' کے ثابت رکھنے کے ساتھ بھی فائدہ دے گا اور جزئیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(فتح القدیر: ج/۴، ص/۲۶)

امام صاحب کی دلیل: یہ ہے کہ ''في غد'' میں استیعابِ غد کا تقاضہ نہ کرنا یہ اس کی حقیقت ہے پس جب وہ ''غد'' کے کسی جزء کی نیت کر رہا ہے تو فی غد کی صورت میں قضاء بھی تصدیق کی جائے گی برخلاف غداً کے کہ اس میں استیعاب ہی اس کی حقیقت ہے پس جب وہ غداً کی صورت میں غد کے کسی جزء کی نیت کر رہا ہے تو تصدیق نہیں کی جائے گی کیوں کہ یہ نیت خلافِ حقیقت ہے اب اس بات کی دلیل کہ ''في'' کی صورت میں عدمِ استیعاب ہی اس کی حقیقت ہے اور بغیر ''في'' کے استیعاب، اللہ کا یہ فرمان ہے ''إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ'' پس اس آیت میں جہاں ''في'' ہے اس میں استیعاب نہیں البتہ جہاں ''في'' نہیں ہے یعنی ''یوم یقوم الخ'' وہاں استیعاب ملحوظ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نصرت دنیا میں مسلمانوں اور رسولوں کے ساتھ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ البتہ آخرت میں نصرت دائمی ہوگی۔ (فتح القدیر حاشیہ: ج/۴، ص/۲۶)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پس اس سے فی غدٍ اور غداً کا بھی فرق واضح ہو گیا کہ فی غدٍ میں جز کی نیت کا قضاءً اعتبار ہے اور غداً میں نہیں ہے، کیوں کہ پہلی صورت میں حقیقت کی نیت ہے اور دوسری میں خلافِ ظاہر اور خلافِ حقیقت کی نیت ہے جو معتبر نہیں ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۴

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ أَمْسِ وَقَدْ تَزَوَّجَهَا الْيَوْمَ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّهُ أَسْنَدَهُ إِلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِمَا لِكِيَّةِ الطَّلَاقِ فَيَلْغُوْ كَمَا إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ اُخْلَقَ وَلِأَنَّهُ يُمْكِنُ تَصْحِيْحُهُ إِخْبَارًا عَنْ عَدَمِ النِّكَاحِ أَوْ عَنْ كَوْنِهَا مُطَلَّقَةً بِتَطْلِيْقِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَزْوَاجِ وَلَوْ تَزَوَّجَهَا أَوَّلَ مِنْ أَمْسِ وَقَعَ السَّاعَةَ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): عبارت کی اطمینان بخش تشریح کرتے ہوئے دلائل کو واضح کریں۔

(ج) مذکورہ دونوں مسئلوں میں فرق کیوں ہوا؟ واضح کریں۔

(د): دوسرے مسئلہ کی دلیل بھی لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر (شوہر نے بیوی سے) کہا کہ تو کل گذشتہ طلاق والی ہے دراں حالیکہ اس (عورت) سے آج نکاح کیا تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیوں کہ اس نے طلاق کو ایسی حالتِ معہودہ کی طرف منسوب کیا ہے جو مالکیت طلاق کے منافی ہے پس لغو ہوگا۔ جیسا کہ جب کہا تو طلاق والی ہے قبل اس کے کہ میں پیدا کیا جاؤں اور اس لیے کہ ممکن ہے اس کو صحیح قرار دینا عدمِ نکاح کی خبر دیتے ہوئے یا اس بات کی کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے سے مطلقہ ہے۔ اور اگر اس سے نکاح کیا کل گذشتہ سے پہلے تو اسی وقت واقع ہو جائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): **توضیح:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اپنی ایسی بیوی سے کہا جس سے اس نے آج ہی یعنی طلاق کے تکلم والے دن میں نکاح کیا ہے کہ تجھے کل گذشتہ طلاق ہے یعنی انت طالق امس کہا تو اس صورت میں طلاق اس کی منکوحہ نہیں تھی بس طلاق کی نسبت ایسے زمانے کی طرف کی ہے جس میں وہ عورت اس کی منکوحہ نہیں تھی پس طلاق کی ایسے زمانے کی طرف نسبت کرنا لغو ہوگا اور یہ مسئلہ ایسا ہوگیا جیسے کہ اس نے کہا کہ تجھے میرے پیدا ہونے سے پہلے طلاق، یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے تجھے طلاق "انت طالق قبل ان اخلق، او تخلقی" اور ایسی صورت میں طلاق نہیں ہوتی پس جو اس کے مشابہ ہے اس میں بھی نہیں ہوگی۔ (فتح القدیر: ج ۴، ص ۲۷)

دوسری دلیل: یہ ہے کہ اس کلام کو لغو قرار نہ دیا جائے کیوں کہ صحیح بنانا ممکن ہے بایں طور کہ ہوسکتا ہے کہ اس نے "انت طالق امس" کہہ کر یہ خبر دی ہو کہ کل گذشتہ وہ میرے نکاح میں نہیں تھی یا یہ کہ کل گذشتہ دوسرے شوہر سے مطلقہ تھی اور یہ بالکل درست ہے ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور کلام لغو ہونے سے بچ جائے گا۔

اور اگر اس نے کہا "انت طالق امس" جب کہ اس کا نکاح اس عورت سے کل سے پہلے یعنی گذشتہ پرسوں ہو چکا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیوں کہ اس نے طلاق کو طلاق کے منافی زمانے کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ ایسے زمانے کی طرف منسوب کیا ہے جس میں عورت اس کی ملکیت میں ہے اور طلاق کی بھی ملکیت ہے لہٰذا طلاق کو خبر بنا کر صحیح قرار دینا بھی ممکن نہیں جیسا کہ سابق مسئلہ میں تھا پس لا محالہ اس کا کلام انشاء ہوگا اور انشاء فی الماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے یعنی موجودہ زمانے میں رہتے ہوئے ماضی میں کوئی حکم ثابت کیا جائے تو وہ حکم زمانۂ حال میں ثابت ہوتا ہے کیوں کہ ماضی میں ثابت کرنے پر کسی کو قدرت نہیں ہے۔

(ج): مذکورہ دونوں مسئلوں میں فرق اس وجہ سے ہوا کہ پہلے مسئلہ میں اس نے طلاق کو منافی طلاق زمانے کی طرف منسوب کیا کیوں کہ جس زمانے کی طرف اس نے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طلاق کو منسوب کیا ہے اس میں وہ اس کی منکوحہ ہی نہ تھی کہ طلاق کا اختیار ہوتا پس منافی طلاق زمانہ کی طرف نسبت کی وجہ سے طلاق نہ ہوگی۔

برخلاف دوسرے مسئلہ کے کہ اس میں اس نے طلاق کو ایسے زمانے کی طرف منسوب کیا ہے جس میں اسے ملکیت حاصل ہے۔ پس اس کی طرف طلاق کی نسبت بھی درست ہے کیوں کہ طلاق کو اس نے ایسے زمانے کی طرف منسوب نہیں کیا جو ملکیت طلاق کے منافی ہو لہٰذا نیت درست ہے اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

(د): اس کی دلیل تشریح کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۵

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَوْ إِذَا مَالَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى يَمُوْتَ عِنْدَأَبِىْ حَنِيْفَةَ "وَقَالَ تُطَلَّقُ حِيْنَ سَكَتَ لِأَنَّ كَلِمَةَ إِذَا لِلْوَقْتِ وَلِأَبِىْ حَنِيْفَةَ أَنَّهٗ يُسْتَعْمَلُ فِى الشَّرْطِ أَيْضًا.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف کب ہے؟ اس کو متعین کریں۔

(ج): كلمة اذا للوقت کی روشنی میں صاحبین کی دلیل کی وضاحت کریں اور انه يستعمل الشرط أيضا کی روشنی میں امام صاحب کی دلیل کو واضح کریں۔

(د): اذا کے دونوں طرح کے استعمال پر استشہاد کے لیے جو اشعار پیش کئے ہیں ان میں سے ایک ایک پیش کریں تو نمبر میں رعایت کی جائے گی۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر اس نے کہا "أَنْتِ طالق اذا لم اطلقک یا إذا مالم اطلقک (دونوں کا ترجمہ ہے" تجھے طلاق ہے جس وقت میں تجھے طلاق نہ دوں / اگر تجھے طلاق نہ دوں) تو عورت مطلقہ نہیں ہوگی حتی کہ وہ (شوہر)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مر جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا کہ عورت مطلقہ ہو جائے گی جیسے ہی وہ خاموش ہوگا اس لیے کہ کلمہ اذا وقت کے لیے ہے اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ''اذا'' شرط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(ب): مذکورہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ شوہر ''أنتِ طالق اذا لم اطلقک یا إذا مالم اطلقک'' کہے اور کچھ بھی نیت نہیں کی، یعنی نہ وقت کی نیت ہو اور نہ شرط کی۔ (فتح القدیر حاشیہ ثانی: ص/۳۰)

(ج): مذکورہ مسئلہ میں صاحبین نے فرمایا کہ ''انت طالق اذا لم أطلقک أو اذا مالم اطلقک'' کہہ کر جیسے خاموش ہوگا طلاق واقع ہو جائے گی اور یہی قول امام شافعی و مالک کا بھی ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۳۲۶)

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ اذا حقیقتاً وقت کے لیے ہے البتہ شرط کے لیے بھی مستعمل ہے لیکن وقت کے معنی کے لحاظ کے ساتھ اور اس بات کی دلیل کہ اذا حقیقتاً وقت کے لیے ہے اللہ کا فرمان ''اذا الشمس کورت'' ہے اس میں اذا وقت کے لیے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب اذا وقت کے لیے ہے تو معنی ہوں گے کہ جس وقت میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے۔ چنانچہ جب وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو ایسا وقت پایا گیا جس میں اس نے طلاق نہیں دی اور وہ خاموشی کا زمانہ ہے۔ لہٰذا طلاق واقع ہو جائے گی اور اذا کے وقت کے معنی میں استعمال پر شاعر کے اس شعر سے بھی استدلال کیا ہے جس کا قائل ابن احمر، یا حری بن ضمرہ ہے کہ ''إذا تکونُ کَرِیْهَةٌ ادعیٰ لَهَا، و اذا یُحاسُ الحیس یدعیٰ جُنْدَبُ'' ترجمہ: جب کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا ہے تو اس کے لیے مجھے بلایا جاتا ہے اور جب حلوہ بنایا جاتا ہے تو جندب کو دعوت دی جاتی ہے۔ اس شعر میں دو جگہ اذا کا استعمال ہے اور دونوں جگہ وقت کے لیے ہے اسی لیے فعل مرفوع ہے چنانچہ اگر شرط کے لیے ہوتا تو فعل مجزوم ہوتا۔ (فتح القدیر: ج/۴، ص/۲۹-۳۰)

امام صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ بالکل نا امیدی کے وقت طلاق ہوگی اس سے پہلے نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوگی اور یہی قول امام احمدؒ کا بھی ہے۔ (بنایہ: ص/۳۲۶) دلیل یہ ہے کہ اذا جس طرح، وقت کے لیے آتا ہے اسی طرح صرف شرط کے لیے بھی آتا ہے اور اس کی دلیل یہ شعر ہے "ماأغناک ربک بالغنی—وإذا تصبک خصاصة فتجمل" (کہ تیرا رب مالداری کے ذریعہ تجھے بے نیاز کردے تو تو بے نیاز ہوجا، اور اگر تجھے کوئی مصیبت پیش آجائے تو صبر وتحمل سے کام لے) اس شعر میں محل استشہاد "اذا تصبک" ہے جو فقط شرط کے معنی میں مستعمل ہے کیوں کہ اس کا مدخول مجزوم ہے تو گویا کہ اذا وقت اور شرط کے معنی میں مشترک ہے۔ چنانچہ اب اگر وقت کے معنی میں لیں تو فی الفور طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر شرط کے معنی میں لیں تو موت کے وقت واقع ہوگی تو طلاق کے واقع ہونے میں شک ہوگیا اور شک سے طلاق پڑتی نہیں۔ لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔ (فتح القدیر: ص/۳۰)

(د): اس کا جواب (ج) کے تحت گزر چکا ہے اشعار بھی اس میں ذکر کردیے گئے ہیں وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۵

وَلَوْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ لَمْ اُطَلِّقْکِ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰی یَمُوْتَ لِاَنَّ الْعَدَمَ لَا یَتَحَقَّقُ اِلَّا بِالْیَاسِ عَنِ الْحَیٰوةِ وَهُوَ الشَّرْطُ كَمَا فِیْ قَوْلِهٖ اِنْ لَمْ اٰتِ الْبَصْرَةَ وَمَوْتُهَا بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهٖ هُوَ الصَّحِیْحُ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): صورت مسئلہ کی وضاحت کریں۔

(ج): موتها بمنزلة موته کی تشریح کریں۔

(د): هو الصحیح سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر اس نے کہا "انت طالق ان لم اطلقک" یعنی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تجھے طلاق ہے اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو وہ مطلقہ نہیں ہوگی شوہر کے مرنے تک،
اس لیے کہ عدم تطلیق (طلاق نہ دینا) متحقق نہیں ہوگا مگر زندگی سے مایوسی کے ساتھ
اور یہی یعنی (عدم تطلیق) شرط ہے جیسے اس کے قول إن لم آت البصرۃ" میں۔
اور بیوی کی موت، شوہر کی موت کے درجہ میں ہے اور یہی صحیح ہے۔

(ب): **توضیح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے تو بیوی کو طلاق نہیں پڑے گی یہاں تک کہ وہ مرجائے تب طلاق پڑ جائے گی، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ دلیل یہ ہے کہ شوہر نے طلاق نہ دینے کو، طلاق واقع کرنے کی شرط قرار دیا ہے، اور یہ شرط (یعنی طلاق دینا) متحقق ہی اس وقت ہوگی جب زندگی سے مایوسی ہو جائے، اور مایوسی زندگی کے بالکل اخیر جزء میں ہوگی جس کو متعین نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں وقت میں مایوسی ہوگی۔ لہٰذا اس وقت طلاق پڑ جائے گی کیوں کہ اس کی شرط پائی گئی۔ (فتح القدیر: ج۴/ص۲۸)

قولہ وھو الشرط: یعنی طلاق نہ دینا یہ طلاق واقع کرنے کی شرط ہے اور یہ شرط زندگی سے مایوسی کے وقت پائی گئی فوقع الطلاق۔

کما فی قولہ إن لم آت الخ: یعنی جس طرح اگر کسی نے کہا کہ اگر میں بصرہ نہ آؤں تو تجھے طلاق ہے چنانچہ جب بصرہ آنے کی امید باقی نہیں رہ جائے گی اس وقت طلاق پڑ جائے گی اسی طرح یہاں بھی جب طلاق دینے کا احتمال ختم ہو جائے گا تب طلاق پڑ جائے گی۔ (فتح القدیر: ج۴/ص۲۸)

(ج): **وموتھا الخ**: یعنی جس طرح شوہر کے مرنے کے وقت طلاق ہو جائے گی اسی طرح بیوی کے مرنے کے وقت بھی طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ شوہر صحیح وسالم ہو۔ (بنایہ)

(د): **ھو الصحیح**: سے نوادر کی روایت سے احتراز ہے اور وہ یہ کہ بیوی کے مرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ شوہر اسے طلاق دینے پر قادر ہے، البتہ بیوی کے مرجانے سے وہ طلاق دینے سے عاجز ہو گیا چنانچہ یہ ایسا ہو گیا جیسے کہ شوہر نے کہا کہ اگر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں گھر میں داخل نہ ہوں تو تجھے طلاق، تو شوہر کے مرنے سے طلاق ہوگی نہ کہ بیوی کے مرنے سے۔ اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی شوہر کے مرنے سے طلاق ہوگی نہ کہ بیوی کے مرنے سے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اس مسئلہ کو ''إن لم أدخل الدار فانت طالق'' پر قیاس کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے کیوں کہ بیوی کے مرنے کے بعد شوہر کا دخولِ دار ممکن ہے۔ لہٰذا بیوی کے مرنے سے مایوسی متحقق ہوگی کیوں کہ بیوی کے مرنے کے بعد وہ اسے طلاق نہیں دے سکتا محل کے ختم ہوجانے کے وجہ سے۔

خلاصہ یہ کہ ''إن لم ادخل الدار'' انت طالق إن لم اطلقک'' والے مسئلہ میں بیوی کے مرنے سے مایوسی متحقق ہو رہی ہے لہٰذا طلاق واقع ہوجائے گی۔ چنانچہ دونوں مسئلے الگ الگ ہیں۔ ایک دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ لہٰذا نوادر کی روایت باطل ہے۔ (فتح القدیر: ج ر۴، ص: ۴۹-۴۸)

ہدایہ ثانی: رص ر۳۶

وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَةٍ يَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا لَيْلاً طُلِّقَتْ لِأَنَّ الْيَوْمَ يُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ بَيَاضُ النَّهَارِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ يَمْتَدُّ كَالصَّوْمِ وَالْأَمْرِ بِالْيَدِ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ الْمِعْيَارُ وَهٰذَا أَلْيَقُ بِهِ وَيُذْكَرُ وَيُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ قَالَ تَعَالٰى ''وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ'' وَالْمُرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ لَا يَمْتَدُّ وَالطَّلَاقُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيلِ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): یوم سے کب مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور کب بیاض نہار؟ ضابطہ لکھ کر ممتد اور معیار کی تعریف مع امثلہ لکھئے، نیز پوری عبارت کا مطلب تحریر کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور کسی شخص نے ایک عورت سے کہا کہ جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے اس عورت سے رات میں نکاح کیا تو وہ مطلقہ ہوجائے گی اس لیے کہ "یوم" کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے بیاض نہار مراد لیا جاتا ہے پس یوم کو اسی پر محمول کیا جائے گا جب یوم فعل ممتد سے ملا ہوا ہو جیسے روزہ اور امر بالید، اس لیے کہ اس سے مراد معیار ہوتا ہے اور یہی اس کے زیادہ لائق ہے، اور یوم ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص اس دن (میدان جنگ کے دن) کافروں سے پیٹھ پھیر کر بھاگے گا (اور یہاں آیت میں) اس سے مراد (مطلق وقت) ہے۔ پس یوم کو اس پر یعنی مطلق وقت پر محمول کیا جائے گا جب یوم فعل غیر ممتد سے متصل ہو اور طلاق اسی قبیل سے ہے۔

(ب): **ضابطہ تعریف مع امثلہ**: ظرف کا متعلَّق جب فعل ممتد ہو تو فقط بیاضِ نہار مراد ہوگا اور اگر ظرف کا متعلق فعل غیر ممتد ہو تو مطلق وقت مراد ہوگا۔ (حاشیہ ہدایہ: ۳۶۶)

حدّ الممتد: "هو ما يصح فيه ضرب المدة كاللبس والركوب" فعل ممتد سے مراد یہ کہ اس فعل کے کرنے میں کچھ وقت لگتا ہو جیسے سوار ہونا، پہننا کہا جاتا ہے "ركبت يومًا لبست يوماً" (فتح القدیر: ج/۴، ص/۲۳)

حدالفعل الغير الممتد: "الفعل الغير الممتد هو الذى يكفى له جزء من الوقت" فعل غیر ممتد وہ ہے کہ جس کے لیے وقت مدید کی ضرورت نہ ہو بلکہ مطلق وقت کافی ہو جیسے "انت طالق يوم اتزوجك"۔ (نورالانوار: ص/۱۰۲)

حدالمعيار: "المعيار مالا يفضل عن المظروف كالصوم" (حاشیہ ہدایہ ثانی) یعنی معیار وہ ہے جو مظروف سے زائد نہ ہو یعنی مؤقت کو گھیر لے اور اس سے زائد نہ ہو کہ ظرف کے طویل ہونے سے وہ بھی طول ہوجائے اور قصیر ہونے سے وہ بھی قصیر ہوجائے۔ (نوالانوار: ص/۵۵)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مطلب: اوّلاً یہ جاننا چاہیئے کہ لفظ نہار، طلوع شمس سے غروب تک کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور ''لیل'' غروب سے لے کر طلوع تک کے ساتھ اور ''یوم'' صحیح قول کے مطابق بیاض نہار کے لیے حقیقتاً مستعمل ہے اور مطلق وقت میں مجاز ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے کہا کہ جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے ''یوم اتزوجک فانت طالق'' تو اب یوم سے کیا مراد ہے بیاض نہار یا مطلق وقت؟ کیوں کہ ''یوم'' مطلق وقت کے لیے بھی ہے اور بیاض نہار کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس کے لیے مصنف نے ایک قاعدہ بیان کر دیا کہ اگر ''یوم'' ایسے فعل سے متصل ہو جو ممتد ہوتا ہے تو اس سے مراد فقط بیاض نہار ہوگا جیسے اس نے کہا ''أصوم یوم یقدم فلان'' یا ''امرک بیدک یوم یقدم زید'' تو ان دونوں میں صوم اور امر بالید فعل ممتد ہیں۔ لہٰذا بیاض نہار ہی مراد ہوگا، پس رات میں آنے کی صورت میں نہ روزہ لازم ہوگا اور نہ امر بالید ہوگا اور اگر فعل غیر ممتد سے مقترن ہے تو مطلق وقت مراد ہوگا جیسے ''انت طالق یوم یقدم زید'' تو اس میں طلاق غیر ممتد فعل پر معلق ہے، لہٰذا جب بھی زید آئے گا رات ہو یا بیاض نہار، طلاق واقع ہو جائے گی۔

لأن الیوم: اور قال اللہ تعالٰی ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ یوم بیاض نہار کے لیے بھی مستعمل ہے جیسے صوم اور امر بالید کی صورت میں، اور مطلق وقت میں بھی مستعمل ہے جیسے اللہ کا قول ''یومئذ دبرہ'' یہاں تہدید اور دھمکی صرف بیاض نہار میں پیٹھ دکھانے والوں کے لیے نہیں ہے بلکہ جو بھی پیٹھ دکھائے خواہ بیاض نہار میں ہو یا لیل میں، پس جب یوم کا دونوں معنی میں استعمال ہے تو کہاں کیا مراد لیا جائے اس کے لیے مصنف نے قاعدہ بیان کر دیا جو ماقبل کی تشریح میں گذر چکا ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۶

وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنَا مِنْكِ طَالِقٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ وَإِنْ نَوَى طَلَاقًا وَلَوْ قَالَ أَنَا مِنْكِ بَائِنٌ أَوْ عَلَيْكِ حَرَامٌ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَهِيَ طَالِقٌ. وَقَالَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الشَّافِعِيُّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ أَيْضًا إِذَا نَوىٰ لِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ. وَكَذَا الْحِلُّ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَالطَّلَاقُ وُضِعَ لِإِزَالَتِهِمَا فَيَصِحُّ مُضَافًا إِلَيْهِ كَمَا يَصِحُّ مُضَافًا إِلَيْهَا كَمَا فِي الْإِبَانَةِ وَالتَّحْرِيمِ، وَلَنَا أَنَّ الطَّلَاقَ لِإِزَالَةِ الْقَيْدِ وَهُوَ فِيْهَا دُوْنَ الزَّوْجِ بِخِلَافِ الْإِبَانَةِ لِأَنَّهَا لِإِزَالَةِ الْوُصْلَةِ وَهِيَ مُشْتَرَكٌ وَبِخِلَافِ التَّحْرِيمِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): صورتِ مسئلہ کی وضاحت کے بعد فریقین کے دلائل بیان کریں۔

(ج): كما في الابانته والتحريم کا جواب احناف کی طرف سے لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے طالق ہوں تو یہ کچھ نہیں ہے اگر چہ طلاق کی نیت کی ہو۔ اور اگر کہا میں تجھ سے بائن ہو یا تجھ پر حرام ہوں دراں حالانکہ وہ طلاق کی نیت کرتا ہے۔ تو یہ عورت) طلاق والی ہوگی۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طلاق واقع ہوگی پہلی صورت میں جب کہ نیت کی ہو۔ کیوں کہ ملکِ نکاح میاں اور بیوی دونوں کے درمیان مشترک ہے اور اسی طرح حلت ان دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور طلاق ان دونوں کو زائل کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ پس طلاق شوہر کی طرف منسوب ہو کر صحیح ہوگی۔ جیسا کہ عورت کی طرف منسوب ہو کر صحیح ہے۔ جس طرح اہانت اور تحریم میں۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق قید کو زائل کرنے کے لیے ہے۔ اور وہ (قید) عورت میں ہے نہ کہ شوہر میں۔ برخلاف اہانت کے کیوں کہ وہ (اہانت) تعلق کو زائل کرنے کے لیے ہے اور وہ (تعلق) مشترک ہے اور برخلاف تحریم کے۔

(ب): **تشریح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے "انا منک

طالق" کہا اور طلاق کی نیت بھی کی، تو ہمارے نزدیک واقع نہ ہوگی۔ اور اگر "انا منک بائن یا انا علیک حرام" کہا اور طلاق کی نیت بھی کی تو طلاق پڑ جائے گی۔ اور امام شافعیؒ "انا منک بائن" اور "انا علیک حرام" میں تو وہی کہتے ہیں جو احناف نے کہا یعنی طلاق پڑ جائے گی لیکن وہ "انا منک طالق" میں بھی طلاق واقع کرنے کے قائل ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک "انا منک طالق" میں نہیں پڑے گی اور مؤخر الذکر دونوں الفاظ سے طلاق پڑ جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک تینوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ نیت کی ہو تو "انا منک طالق" میں احناف اور شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح کی وجہ سے جو ملکیت حاصل ہوئی ہے اس میں میاں بیوی دونوں مشترک ہیں اسی وجہ سے کہ ملکیت دونوں میں مشترک ہے عورت شوہر سے وطی کا مطالبہ کر سکتی ہے اسی طرح شوہر عورت سے وطی پر قدرت دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے اور حلت میں بھی دونوں مشترک ہیں اسی وجہ سے دونوں کا ہر ایک سے استمتاع حلال ہے۔

خلاصہ یہ کہ نکاح سے حاصل شدہ ملکیت اور حلت دونوں میں دونوں مشترک ہیں اور طلاق انہیں دونوں کو زائل کرنے کے لیے ہے۔ لہٰذا طلاق کو جس طرح عورت کی جانب منسوب کرنا درست ہے اسی طرح مرد کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح ہے خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کی طرف طلاق کی نسبت کرنا درست ہے پس جب نسبت درست ہے تو "انا منک طالق" سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس طرح "انا منک بائن اور انا علیک حرام" سے ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر: ص/۳۵)

ہماری دلیل: یہ ہے کہ طلاق قیدِ نکاح کو زائل کرنے کے لیے ہے اور قید صرف عورت کے ساتھ ہے اسی وجہ سے بیوی کو دوسرے شوہر سے نکاح کرنا اور بغیر اجازت کے نکلنا جائز نہیں ہے اور مرد کو اجازت ہے تو معلوم ہوا کہ نکاح کی وجہ سے جو قید ہے وہ صرف عورت کے لیے ہے اور طلاق اسی قید کو زائل کرنے کے لیے ہے تو یہ قید اسی وقت زائل ہوگی یعنی طلاق واقع ہوگی جب طلاق قید کی طرف منسوب ہو۔ لہٰذا اگر غیر محل کی طرف طلاق کو منسوب کیا گیا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تو طلاق واقع نہ ہوگی اور یہاں ''انا منک طالق'' میں مرد کی جانب طلاق منسوب ہے جو کہ قید کا محل نہیں ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔ (فتح القدیر: ج۴، ص۳۶/۳۵-۳۶)

(ج): امام شافعیؒ کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ''انا منک طالق'' کو ''انا منک بائن'' پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ لفظ بائن کو وضع کیا گیا ہے۔ اس تعلق کو ختم کرنے کے لیے جس میں دونوں مشترک ہیں اور ''تحریم'' کو حلت زائل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے جس میں دونوں مشترک ہیں تو ان دونوں کی نسبت شوہر کی جانب کرنا درست ہے۔ برخلاف طلاق کے کہ وہ ازالہ قید کے لیے ہے اور قید صرف عورت میں ہے لہٰذا طلاق کو اسی کی جانب منسوب کیا جائے گا تبھی طلاق پڑے گی۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ ''انا منک طالق کو ''انا منک بائن اور علیک حرام پر قیاس کرنا ہی درست نہیں ہے کیوں کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ (فتح القدیر: ج۴، ص۳۶)

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۷

وَإِذَا مَلَکَ الزَّوْجُ إِمْرَأَتَهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهَا أَوْ مَلَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا أَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ لِمُنَافَاةِ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ أَمَّا مِلْكُهَا إِيَّاهُ فَلِاجْتِمَاعِ بَيْنَ الْمَالِكِيَّةِ وَالْمَمْلُوكِيَّةِ. وَأَمَّا مِلْكُهُ إِيَّاهَا فَلِأَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ ضَرُورِيٌّ وَلَا ضَرُورَةَ مَعَ قِيَامِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَيَنْتَفِي وَلَوْ اشْتَرَاهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْئٌ لِأَنَّ الطَّلَاقَ يَسْتَدْعِي قِيَامَ النِّكَاحِ وَلَا بَقَاءَ لَهُ مَعَ الْمُنَافِيْ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مذکورہ مسائل کی مدلل اور مکمل تشریح کریں۔

(ج): مطلب لکھتے ہوئے ''لمنافاۃ بین الملکین اور فلان ملک النکاح ضروری'' کو اچھی طرح سمجھائیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب شوہر مالک ہو گیا اپنی بیوی کا یا اس کے کسی حصہ کا، عورت مالک ہو گئی اپنے شوہر کی، یا اس کے کسی حصہ کی، تو فرقت واقع ہو جائے گی دونوں ملکوں کے درمیان منافات کی وجہ سے، بہرحال بیوی کا شوہر کا مالک ہونا تو مالکیت اور مملوکیت کے درمیان اجتماع کی وجہ سے ہے اور رہا شوہر کا بیوی کا مالک ہونا تو اس لیے کہ ملک نکاح منتفی ہو جائے گی۔ اور اگر شوہر نے بیوی کو خریدا پھر اسے طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگی اس لیے کہ طلاق بقاء نکاح کا تقاضا کرتی ہے اور منافی کے ہوتے ہوئے نکاح کے لیے بقاء نہیں ہے۔

(ب): **تشریح**: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا مالک بن جائے مثلاً اس نے کسی شخص کی باندی سے نکاح کیا پھر اسے خرید لیا یا بطور ہبہ اس کو مل گئی یا وراثت میں ملی، تو نکاح ختم ہو جائے گا اور دونوں میں فرقت واقع ہو جائے گی اور اسی طرح جب بیوی کے کسی جزء کا مالک ہو جائے تب بھی نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور یہی مسئلہ ہے اس صورت میں بھی جب بیوی شوہر کی مالک ہو جائے مثلاً اس نے کسی کے غلام سے نکاح کیا تھا پھر اسے خرید لیا اسی طرح اگر شوہر کے کسی جزء کی مالک ہو جائے خریدنے کی وجہ سے یا ہبہ کی وجہ سے یا کسی اور طریقہ سے تب بھی فرقت واقع ہو جائے گی ملک نکاح اور ملک رقبہ کے درمیان منافات کی وجہ سے، یعنی شئی واحد میں ملک نکاح اور ملک رقبہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ (فتح القدیر: ج/۴، ص/۳۸)

چنانچہ اس صورت میں جب بیوی شوہر کی مالک ہو تو فرقت اس وجہ سے واقع ہوگی کہ ایک ہی ذات مالکہ بھی ہے اور مملوکہ بھی اس کی توضیح یہ ہے کہ بیوی جب شوہر کی مالک ہوئی تو اس کا تقاضہ ہے کہ بیوی مالک ہو اور شوہر مملوک۔ اور نکاح تقاضہ کرتا ہے کہ بیوی مملوکہ ہو اور شوہر مالک، تو اس صورت میں ملک رقبہ اور ملک نکاح کے جمع ہو جانے سے ایک ہی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ذات کا مالک اور مملوک ہونا لازم آ گیا اور یہ محال ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۳۳۵)

اور جب شوہر بیوی کا مالک ہو تو اس صورت میں فرقت کی وجہ یہ ہے کہ حرہ پر ملک نکاح خلاف قیاس ہے، اور جو چیز خلاف قیاس ہو وہ ضرورت پر منحصر ہوتی ہے اور ضرورت بقاء نسل ہے یعنی حرہ پر ملک نکاح ثابت ہے بقاء نسل کی ضرورت کی وجہ سے اور ملک یمین کے ہوتے ہوئے کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا ملک یمین کے حاصل ہوتے ہی ملک نکاح زائل ہو جائے گی۔ (ملخص من بنایہ: ج/۵، ص/۳۳۵-، فتح القدیر: ج/۴، ص/۳۸)

قولہ ولو اشتراھا: یعنی اگر شوہر نے اپنی باندی کو خرید ا پھر اسے طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ طلاق کے واقع کرنے کے لیے بقاء ملک نکاح چاہیے۔ اور ملک نکاح خریدتے ہی زائل ہو چکی ہے، کیوں کہ نکاح اپنے منافی یعنی ملک یمین کے ہوتے ہوئے باقی نہیں رہ سکتا نہ تو من وجہ کہ ایک عدت اس کو لازم ہو کیوں کہ عدت لازم ہی نہیں ہے اور من کل الوجوہ۔ تو طلاق ملک نکاح میں واقع نہیں ہوئی ہے لہٰذا اسے طلاق نہیں پڑے گی۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۳۶-۳۳۵)

(ج): اس کا جواب تشریح کے ذیل میں گزر چکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۶۹

وَمَنْ قَالَ لِإِمْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا يُشِيرُ بِالْإِبْهَامِ وَالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى فَهِيَ ثَلٰثٌ لِأَنَّ الْإِشَارَةَ بِالْأَصَابِعِ تُفِيدُ الْعِلْمَ بِالْعَدَدِ فِيْ مَجْرَى الْعَادَةِ إِذَا اقْتَرَنَتْ بِالْعَدَدِ الْمُبْهَمِ، وَإِنْ أَشَارَ بِوَاحِدَةٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَإِنْ أَشَارَ بِالثِّنْتَيْنِ فَهِيَ ثِنْتَانِ لِمَا قُلْنَا وَالْإِشَارَةُ تَقَعُ بِالْمَنْشُورَةِ مِنْهَا وَقِيلَ إِذَا أَشَارَ بِظُهُورِهَا فَبِالْمَضْمُومَةِ مِنْهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب کی مکمل وضاحت کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج): مضمومہ یا منشورہ سے طلاق واقع ہونے کی صورت میں اس کے برعکس نیت کی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو اتنی طلاق والی ہے اشارہ کرتا ہے (اپنے) انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے، تو یہ تین (طلاق) ہیں کیوں کہ انگلیوں سے اشارہ عادۃً عدد کے جاننے کا فائدہ دیتا ہے جب کہ اشارہ عدد مبہم کے ساتھ متصل ہے، اور اگر اس نے ایک (انگلی) سے اشارہ کیا تو یہ ایک (طلاق) ہے اور اگر دو (انگلیوں) سے اشارہ کیا تو یہ دو (طلاقیں) ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اشارہ کھلی ہوئی انگلیوں سے واقع ہوتا ہے اور کہا گیا کہ جب انگلیوں کے پشت سے اشارہ کرے تو بند انگلیوں سے (اشارہ واقع ہوگا)۔

(ب): **تشریح**: جس شخص نے اپنی منکوحہ بیوی سے کہا کہ "انت طالق ھکذا" اور انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرتا ہے یعنی تین انگلیاں اٹھا کر کہا تو اتنی سے طالقہ ہے تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

دلیل: یہ ہے کہ جب اشارہ عدد مبہم کے ساتھ متصل ہو تو عادتاً انگلیوں سے اشارہ کرنا عدد کے جاننے کا فائدہ دیتا ہے اور عدد جاننے کے لیے انگلیوں سے اشارہ کافی ہے کیوں کہ اگر آدمی کہے کہ اتنی چیز تو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کتنی تعداد کا قصد کرتا ہے اور جب اس نے انگلیوں سے اشارہ کر دیا تو معلوم ہو گیا پس جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو اتنی طلاق سے طالقہ ہے اور تین انگلیاں اٹھائیں تو معلوم ہو گیا کہ تین طلاق سے طالقہ ہے کیوں کہ انگلیوں کو اٹھانا یہ مبہم کا بیان ہے۔ اور اگر ہٰکذا کہہ کر ایک انگلی سے اشارہ کیا تو ایک واقع ہوگی اور اگر دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو دو واقع ہو جائیں گی سابقہ دلیل کی وجہ سے، اور سابقہ دلیل "لأن الإشارة بالأصابع تفيد العلم الخ" ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے عدد میں کھلی ہوئی انگلیوں کا اعتبار ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں جب انگلیوں کی پشت کو عورت کی طرف کر کے اشارہ کیا تو طلاق کی تعداد میں بند انگلی کا اعتبار ہوگا یعنی جس کو بند کرلیا ہے وہی تعدادِ طلاق میں معتبر ہوں گی اور جو کھلی ہیں ان کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً تین انگلیاں بند ہیں اور دو کھلی ہیں تو ان حضرات کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی کیوں کہ تین انگلیاں بند ہیں اور ان کے نزدیک بند انگلیوں کا اعتبار ہے۔

(ج): مضمومہ یا منشورہ: سے طلاق واقع ہونے کی صورت میں اس کے برعکس نیت کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیانۃً تصدیق کی جائے گی اور قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی مثلاً جب انگلیوں کے رخ کو عورت کی طرف کر کے اشارہ کرے تو کھلی ہوئی انگلیاں معتبر ہوتی ہیں جیسے تین انگلیاں کھلی اور بند تھیں تو ظاہر یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہونی چاہئے لیکن اگر اس نے کہا میں نے بند انگلیوں سے اشارہ کا قصد کیا تھا تو از راہِ دیانت تصدیق کی جائے گی اور قاضی تصدیق نہیں کرے گا۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۷۱

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيقَةً شَدِيدَةً أَوْ عَرِيضَةً أَوْطَوِيلَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ لِأَنَّ مَا لَا يُمْكِنُ تَدَارُكُهُ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَهُوَ الْبَائِنُ وَمَا يَصْعُبُ تَدَارُكُهُ يُقَالُ لِهٰذَا الْأَمْرُ طُولٌ وَعَرْضٌ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقَعُ بِهَا رَجْعِيَّةٌ لِأَنَّ هٰذَا الْوَصْفَ لَا يَلِيقُ بِهِ فَيَلْغُو.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ ان الفاظ سے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ نے طلاق بائن کس طرح ثابت کی ہے۔

(ج): امام ابویوسفؒ نے طلاقِ رجعی کس طرح ثابت کی ہے تفصیل سے بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا ''أَنْتِ طَالِقٌ تَطْلِيْقَةً شَدِيْدَةً أَوْ عَرِيْضَةً أَوْ طَوِيْلَةً'' کہا، تو یہ ایک (طلاق) بائن ہے اس لیے کہ جس طلاق کا تدارک ممکن نہ ہو وہی شوہر پر سخت ہوگی اور وہ (طلاق) بائن ہے اور جس امر کا تدارک دشوار ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ لمبا چوڑا کام ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ان کلمات سے طلاق رجعی واقع ہوگی کیوں کہ یہ وصف طلاق کے مناسب نہیں ہے لہٰذا (وصف) لغو ہو جائے گا۔

(ب): **مطلب:** مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے طلاق کے ساتھ شدیدہ یا عریضہ یا طویلہ جیسا وصف ذکر کر دیا تو ایک طلاق بائن ہوگی کیوں کہ جب شوہر نے طلاق کو شدیدہ یا عریضہ یا طویلہ جیسے وصف کے ساتھ متصف کیا تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی طلاق واقع ہو جو شوہر پر دشوار ہو اور اس کا تدارک ممکن نہ ہو اور ایسی طلاق وہ ہے جس میں رجعت کا حق شوہر کو نہ ہو اور وہ طلاق بائن ہے لہٰذا طلاق بائن پڑے گی اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ایسی طلاق ہو جو شوہر پر دشوار ہو یہ اس لیے کہ جب کوئی دشوار اور مشکل کام ہوتا ہے تو اس کے لیے بولا جاتا ہے مثلاً ''هذا الامر طويل عريض'' لہٰذا اس صفت کا طلاق میں لحاظ ہوگا۔

(ج): امام ابو یوسفؒ کے نزدیک: طلاق رجعی ہوگی نہ کہ بائن دلیل یہ ہے کہ اس نے طلاق کو ایسی صفت کے ساتھ متصف کیا ہے جو طلاق کے مناسب نہیں ہے کیوں کہ طویل عریض یا شدید یہ سب اجسام کی صفات ہیں اور طلاق اعراض کے قبیل سے ہے لہٰذا اس وصف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور یہ وصف لغو ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص/۳۷۱

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ الدُّخُولِ وَقَعْنَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْوَاقِعَ مَصْدَرٌ مَحْذُوفٌ لِأَنَّ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثَلَاثًا عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ، فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ إِيْقَاعًا عَلٰى حِدَةٍ، فَيَقَعْنَ جُمْلَةً.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب بیان کرتے ہوئے مکمل تشریح کیجئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب مرد اپنی عورت کو تین طلاق دیدے اس سے دخول سے پہلے تو وہ سب اس پر واقع ہو جائیں گی کیوں کہ واقع ہونے والی شئی مصدر محذوف ہے اس لیے کہ معنی ہیں "طَلَاقًا ثَلَاثًا" جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے لہٰذا اس کا قول "انت طالق" علیحدہ ایقاع نہیں ہوگا۔ چنانچہ سب طلاقیں یکبارگی واقع ہو جائیں گی۔

(ب): **توضیح**: اس کی یہ ہے کہ پہلے یہ جاننا چاہئے کہ طالق جو کہ صفت ہے اس سے طلاق نہیں پڑتی بلکہ اس طلاق سے پڑتی ہے جو تطلیق کے معنی میں ہوتا ہے اور انت طالق میں اسے اقتضاءً مانا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب انت طالق کے ساتھ عدد ہو تو طلاق عدد سے پڑتی ہے نہ کہ غیر سے، اب مسئلہ سنئے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اس سے دخول سے پہلے انت طالق ثلاثا کہہ کر تین طلاق دیدی تو تینوں پڑ جائیں گی کیوں کہ طلاق حقیقت میں تطلیق سے پڑی ہے جسے اقتضاءً مانا گیا ہے اور ثلاثا اس کی صفت ہے اور موصوف علحدہ نہیں ہوتے تو تین پڑ جائیں گی۔

فلم یکن: حسن بصریؒ کا رد ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے غیر مدخولہ کو انت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طالق ثلاثا کہا تو انت طالق سے ایک پڑے گی اور وہ بائنہ ہو جائے گی اور ثلاثا اس حال میں اس سے مل رہا ہے کہ وہ ملکیت سے خارج ہو چکی ہے لہٰذا تین نہیں پڑیں گی۔

اس کا جواب بھی ہے اور مدعا بھی ثابت کیا گیا ہے کہ ابھی ہم نے ماقبل میں بیان کیا کہ جب عدد طلاق سے مقترن ہو تو طلاق عدد سے پڑے گی اور ''طالق'' سے کچھ بھی نہیں پڑے گی اور ثلاثا ایک متعین مدلول تین پر دلالت ہے لہٰذا تین پڑ جائیں گی، اسی لیے اگر کسی نے اپنی عورت کو انت طالق ثلاثا کہا لیکن ثلاثا کے تکلم سے پہلے بیوی مرگئی تو کچھ بھی طلاق واقع نہ ہوگی تو معلوم ہوا کہ طلاق عدد سے پڑے گی اور صفت کے صیغہ سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ (فتح القدیر، کفایہ: ص ر۱۰)

ہدایہ ثانی: ص ر۳۷۲

وَلَوْ قَالَ لَهَا (لِغَيْرِ الْمَدْخُولَةِ) إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَ وَاحِدَةً فَدَخَلَتْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَوَاحِدَةً إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَتْ طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ بِالْإِجْمَاعِ لَهُمَا أَنَّ حَرْفَ الْوَاوِ لِلْجَمْعِ الْمُطْلَقِ فَتَعَلَّقْنَ جُمْلَةً كَمَا إِذَا نَصَّ عَلَى الثِّنْتَيْنِ أَوْ أَخَّرَ الشَّرْطَ وَلَهُ أَنَّ الْجَمْعَ الْمُطْلَقَ يَحْتَمِلُ الْقِرَانَ وَالتَّرْتِيبَ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب لکھتے ہوئے دونوں مسئلوں کی الگ الگ وضاحت کریں پھر اختلافِ ائمہ مع دلائل واضح کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر اس نے غیر مدخولہ سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق اور ایک، پھر وہ داخل ہوگئی تو اس پر ایک طلاق واقع ہوگی امام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا دونوں واقع ہوں گی۔ اور اگر اس نے غیر مدخولہ سے کہا تجھے ایک طلاق ہے اور ایک، اگر تو گھر میں داخل ہوئی، پھر وہ داخل ہوگئی تو بالاتفاق اس پر دو طلاق واقع ہوں گی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حرف واو مطلق جمع کے لیے ہے لہذا تمام طلاق جمع ہو کر شرط پر معلق ہوں گی جیسا کہ جب لفظ ثنتین کی صراحت کی ہو یا شرط کو مؤخر کیا ہو۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جمع مطلق قران کا احتمال رکھتی ہے اور ترتیب کا بھی۔

(ب): صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر متعدد طلاقوں کو شرط پر معلق کیا جائے ایک طلاق کا دوسرے طلاق پر عطف کیا جائے تو اب اس کی دو صورتیں ہیں (۱) شرط مقدم ہوگی (۲) یا مؤخر ہوگی۔

اگر شرط مؤخر ہو مثلاً کہا کہ "أنت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار" تو بالاتفاق دو طلاق واقع ہوں گی۔ اور اگر شرط مقدم ہو مثلاً کہا "ان دخلت الدار فانت طالق واحدة وواحدة" تو اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقط ایک طلاق واقع ہوگی اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک دو طلاق واقع ہوں گی یہی ایک قول امام شافعیؒ کا بھی ہے، اور یہی قول امام مالکؒ و احمدؒ بن حنبل کا بھی ہے۔ (بنایہ: ص/۳۵۹)

صاحبین کی دلیل: یہ ہے کہ "واو" مطلق جمع کے لیے ہے لہٰذا دونوں طلاق ایک ساتھ شرط پر معلق ہوں گی اور سب واقع ہو جائیں گی جیسے جب شوہر دو کی صراحت کر دے مثلاً کہے "ان دخلت الدار فانت طالق ثنتين" تو اس صورت میں بالاتفاق دو طلاق واقع ہوں گی۔ اسی طرح اس مسئلہ میں بھی۔ اور جیسے جب شرط مؤخر کر دے تو بالاتفاق دو واقع ہوں گی اسی طرح اس مسئلہ میں بھی واقع ہو جائیں گی۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۳۵۹)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: یہ ہے کہ واو مطلق جمع کے لیے ہے لیکن اس کے دو فرد ہیں (۱) قران (۲) ترتیب۔ اور واو انہیں دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں پایا جاتا ہے اب اگر اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مسئلہ میں ''واؤ'' کو ترتیب کے لیے مانیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر قران کے لیے مانیں تو دو طلاق واقع ہوں گی۔ تو ایک طلاق تو یقینی ہے لیکن دوسری میں شک پیدا ہو گیا کیوں کہ ''واؤ'' میں ترتیب واقتران دونوں کا احتمال ہے لہٰذا شک کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۷۶

وَيَبْطُلُ خِيَارُهَا بِمُجَرَّدِ الْقِيَامِ لِأَنَّهُ دَلِيْلُ الْإِعْرَاضِ بِخِلَافِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ لِأَنَّ الْمُفْسِدَ هُنَاكَ الْإِفْتِرَاقُ مِنْ غَيْرِ قَبْضٍ، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ فِيْ قَوْلِهٖ اِخْتَارِيْ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ تَخْيِيْرَهَا فِيْ نَفْسِهَا وَيَحْتَمِلُ تَخْيِيْرَهَا فِيْ تَصَرُّفٍ آخَرَ غَيْرِهٖ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): عبارت کا مطلب لکھیے۔

(ج): بتائیے کہ مخیّر اگر خود کو اختیار کر لے تو اس پر کون سی طلاق واقع ہوگی۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور عورت کا خیار محض کھڑا ہونے سے باطل ہوگا کیوں کہ یہ (کھڑا ہونا) اعراض کی دلیل ہے۔ برخلاف (بیع) صرف اور سلم کے کیوں کہ یہاں (یعنی صرف وسلم میں) مقصد بغیر قبضہ کے (مجلس سے) جدا ہونا ہے، پھر اس کے قول اختاری میں نیت ضروری ہے اس لیے کہ وہ احتمال رکھتا ہے عورت کے نفس میں اس کو اختیار دینے کا اس کے علاوہ دوسرے تصرف میں اس کو اختیار دینے کا احتمال رکھتا ہے۔

(ب): **تشریح**: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دیا تو عورت کا یہ اختیار اسی مجلس پر منحصر رہے گا اور عورت کا خیار محض مجلس سے کھڑے ہونے سے باطل ہو جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: یہ ہے کہ مجلس سے کھڑا ہونا یہ اعراض اور روگردانی کی دلیل ہے لیکن بیع صرف اور بیع سلم اس کے برخلاف ہے کہ ان دونوں میں بھی مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے لیکن محض کھڑا ہونے سے بیع صرف اور بیع سلم باطل نہیں ہوں گی کیوں کہ بیع صرف اور بیع سلم کو فاسد کرنے والا بغیر قبضہ کے مجلس سے جدا ہو جانا ہے اور محض کھڑے ہونے سے مجلس سے جدا ہونا نہیں پایا گیا اس وجہ سے بیع صرف اور بیع سلم قیام عن المجلس سے باطل نہیں ہوں گے، صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کے قول لفظ اختاری میں طلاق کی نیت ضروری ہے یعنی جب شوہر نے اپنی بیوی سے اختاری کہا تو اس وقت ضروری ہے کہ شوہر نے اس کو طلاق کی نیت سے کہا ہو کیوں کہ اس لفظ یعنی اختاری میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہے لہٰذا غیر طلاق کے احتمال کو زائل کرنے کے لیے طلاق کی نیت کرنا ضروری ہے۔

(ج): مخیّر اگر شوہر کے قول لفظ اختاری سے خود کو اختیار کر لے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس لفظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہو اگر چہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو کیوں کہ شوہر اس لفظ سے خود طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں ہے لہٰذا دوسرے کو مالک بنانے کا کیسے مالک ہوگا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کی وجہ سے استحساناً جائز قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نکاح کو قائم رکھے یا جدا کر دے پس وہ اس اختیار میں اپنی بیوی کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۷۷

وَلَوْ قَالَ اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ نَفْسِیْ یَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا نَوَی الزَّوْجُ وَلَوْ قَالَ اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ اَنَا اَخْتَارُ نَفْسِیْ فَهِیَ طَالِقٌ، وَالْقِیَاسُ أَنْ لَا تُطَلَّقَ لِأَنَّ هٰذَا مُجَرَّدُ وَعْدٍ اَوْ یَحْتَمِلُهُ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَكِ فَقَالَتْ اَنَا اُطَلِّقُ نَفْسِیْ، وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ حَدِیْثُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عَنْهَا فَإِنَّهَا لاَ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَاعْتَبَرَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَاباً مِنْهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): عبارت کی اطمینان بخش تشریح کریں اور بتائیں پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی اذا نوی الزوج کی قید ملحوظ ہے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر شوہر نے کہا کہ تو اختیار کر تو عورت نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ شوہر نے نیت کی ہو۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ تو اختیار کر۔ عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تو یہ طالقہ ہے۔ اور قیاس یہ تھا کہ واقع نہ ہو۔ کیوں کہ یہ محض وعدہ ہے، یا اس کا احتمال رکھتا ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسا کہ عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے، تو عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو طلاق دیتی ہوں۔ استحسان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا نہیں۔ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت عائشہؓ کی طرف سے معتبر جواب مانا ہے۔

(ب): **تشریح**: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اختیاری عورت نے اس کے جواب میں کہا اخترت نفسی اور شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے۔ تو اس صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "اختیاری"، بیوی نے اس کے جواب میں کہا "انا اختار نفسی" یعنی مضارع کے صیغے کو استعمال کیا، جب کہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طلاق واقع نہ ہولیکن استحساناً اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

قیاس کی دلیل: یہ ہے کہ عورت نے ''اختار'' فعل مضارع استعمال کیا ہے اور فعل مضارع حال اور استقبال دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس اگر عورت نے استقبال مراد لیا ہے تو محض وعدہ ہے، اور محض طلاق کے وعدہ سے طلاق نہیں پڑتی ہے، اور اگر حال مراد لیا ہے تو کم از کم استقبال کا احتمال ہے، پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''طلقی نفسک'' بیوی نے جواب میں ''انا اطلق نفسی'' کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح ''انا اختار نفسی'' سے بھی طلاق واقع نہ ہونی چاہئے۔ لیکن استحساناً واقع ہو جائے گی۔

استحسان کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت ''یا ایھا النبی قل لازواجک الآیۃ'' نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں تم کو ایک بات کی خبر دوں گا اور تم بغیر والدین کے مشورے کے جواب مت دینا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی خبر دی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا میں اس بارے میں ماں باپ سے مشورہ کروں؟ نہیں۔ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عائشہؓ کے اس جواب کا اعتبار کیا ہے حالاں کہ حضرت عائشہؓ نے صیغہ مضارع استعمال کیا ہے جو استقبال کا احتمال رکھتا ہے، پس حدیث عائشہؓ سے معلوم ہوا کہ صیغۂ مضارع سے بھی اختیار ثابت ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ استحساناً ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

دوسرے مسئلے میں بھی اذانوی الزوج کی قید ملحوظ ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۷۸

وَلَوْ قَالَ لَهَا اَمْرُكِ بِيَدِكِ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ لَمْ يَدْخُلْ فِيْهِ اللَّيْلُ وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ فِيْ يَوْمِهَا بَطَلَ اَمْرُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَكَانَ بِيَدِهَا اَمْرُ بَعْدِ غَدٍ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِذِكْرِ وَقْتَيْنِ بَيْنَهُمَا وَقْتٌ مِنْ جِنْسِهِمَا لَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْأَمْرُ إِذْ ذِكْرُ الْيَوْمِ بِعِبَارَةِ الْفَرْدِ لَا يَتَنَاوَلُ اللَّيْلَ فَكَانَا أَمْرَيْنِ فَبِرَدِّ أَحَدِهِمَا لَا يَرْتَدُّ الْآخَرُ وَقَالَ زُفَرُ: هُمَا أَمْرٌ وَاحِدٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ الْيَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ قُلْنَا الطَّلَاقُ لَا يَحْتَمِلُ التَّاقِيتَ وَالْأَمْرُ بِالْيَدِ يَحْتَمِلُهُ فَيُوَقَّتُ الْأَمْرُ الأول ويُجْعَلُ الثَّانِي أَمْراً مُبْتَدأً.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب بیان کریں۔

(ج): اس مسئلہ میں امام زفر کے استدلال اور ائمہ ثلاثہ کی جانب سے ان کے جواب کی وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور اگر عورت سے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج اور کل آئندہ کے بعد (یعنی پرسوں کے دن) تو اس (اختیار) میں رات داخل نہیں ہوگی اور اگر اس یوم (دن) میں معاملہ کو رد کر دیا تو اس دن کا معاملہ باطل ہو گیا اور کل آئندہ کے بعد یعنی پرسوں کا معاملہ اس کے ہاتھ میں رہے گا، کیوں کہ اس شخص نے ایسے دو وقتوں کو صراحتاً ذکر کیا ہے جن کے درمیان ان دونوں کا ہم جنس وقت ہے اس کو امر بالید شامل نہیں ہے، کیوں کہ یوم کا ذکر عبارت فرد کے ساتھ رات کو شامل نہیں ہوگا۔ پس دو امر ہو گئے لہٰذا ان دونوں میں سے ایک کو رد کرنے سے دوسرا رد نہیں ہوگا، اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں امر واحد ہیں اس کے قول ''أنت طالق اليوم وبعد غدٍ'' کے مرتبہ میں۔ ہم جواب دیں گے کہ طلاق تعیین وقت کا احتمال نہیں رکھتی ہے اور امر بالید اس کا احتمال رکھتا ہے پس امر بالید کو اول وقت کے ساتھ متعین کیا جائے گا اور ثانی کو مستقل امر بنا دیا جائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): **تشریح**: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا "امرک بیدک وبعد غد" یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے آج کے دن اور پرسوں کے دن تو وہ رات جو اس دن یعنی آج کے دن کے بعد آئے گی اس اختیار میں داخل نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر عورت نے اپنے آپ کو رات میں اختیار کر لیا یعنی رات میں طلاق دے لی تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر عورت نے آج کے دن کا اختیار رد کر دیا تو صرف اسی آج کے دن کا امر بالید رد ہوگا اور کل آئندہ کے بعد یعنی پرسوں کے دن کا اختیار اس کے قبضہ میں رہے گا۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ اس عبارت میں دو دعوے ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ ہے کہ ان الفاظ یعنی "امرک بیدک الیوم وبعد غد" کے ساتھ عورت کو اختیار دینے میں وہ رات جو یوم کے بعد ہے وہ اس اختیار میں شامل نہیں ہوگی۔ دوسری دعویٰ یہ ہے کہ عورت کے یوم میں امر بالید کو رد کر دینے سے (بعد غد) یعنی پرسوں کے دن کا امر بالید رد نہیں ہوگا۔ پہلے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے چوں کہ یوم کو لفظ مفرد کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لیے یہ اختیار رات کو شامل نہیں ہوگا۔ دوسرے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے صراحت کے ساتھ دو وقتوں کو ذکر کیا ہے یعنی یوم اور بعد غد (آج کے دن اور پرسوں کے دن) کو اور ان دونوں وقتوں کے درمیان کا دن ہے جو اسی کی جنس سے ہے اور اس کو امر بالید شامل نہیں ہے البتہ رات دوسری جنس ہے۔ پس یہ مستقلاً دو امر ہو گئے۔ ایک آج کے دن کا امر بالید دوسرے پرسوں کے دن کا امر بالید اور دو امروں میں سے ایک کو رد کرنے سے دوسرا امر رد نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی "الیوم" کے امر کو رد کرنے سے "بعد غد" کا امر رد نہیں ہوگا پس پرسوں کے دن کا امر اس کے اختیار میں رہا۔ یہ مسئلہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں امر ایک ہیں۔

(ج): امام زفرؒ فرماتے ہیں: کہ دونوں امر، امر واحد ہیں۔ انہوں نے "امرک بیدک الیوم وبعد غد" کو "انت طالق الیوم وبعد غد" پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح صریح طلاق کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ تو طالقہ ہے آج اور پرسوں تو ایک ہی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طلاق واقع ہوگی دو واقع نہیں ہوں گی اسی طرح اگر بیوی نے آج کے دن کے امر بالید کو رد کردیا تو پرسوں کے دن کا امر بالید باقی نہیں رہے گا بلکہ رد ہوجائے گا۔
ائمہ ثلاثہ کی طرف سے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ امر بالید کو طلاق پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ طلاق تعیینِ وقت کا احتمال نہیں رکھتی ہے۔ چنانچہ جو عورت یوم میں مطلقہ ہوگی وہ غد اور بعد غد میں بھی مطلقہ ہوگی اور امر بالید تعیین کا احتمال رکھتا ہے۔ چنانچہ ''امرک بیدک الیوم وبعد غد'' میں امر متعین ہے وقت اول یعنی یوم کے ساتھ، اور وقت ثانی بعد غد کو مستقلاً دوسرا امر قرار دے دیا جائے گا۔ تقدیری عبارت ہوگی ''امرک بیدک الیوم وامرک بیدک وبعد غد''

ہدایہ ثانی: ص/۳۸۱

وَإِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ إِمْرَأَتِي فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَهُ أَنْ يَّرْجِعَ لِأَنَّهُ تَوْكِيلٌ وَإِنَّهُ إِسْتِعَانَةٌ فَلَا يَلْزَمُ وَلَا يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ بِخِلَافِ قَوْلِهِ لِإِمْرَأَتِهِ طَلِّقِي نَفْسَكِ لِأَنَّهَا عَامِلَةٌ لِنَفْسِهَا فَكَانَ تَمْلِيْكًا لَا تَوْكِيْلًا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): پورے مسئلہ کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے تملیک اور توکیل میں فرق واضح کریں۔

(ج): ولہ ان یرجع میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟

(د): اگر شوہر طلق امرء تی إن شئت کہہ دے تو مسئلہ کی صورت یہی رہے گی یا بدل جائے گی۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب شوہر نے کسی آدمی سے کہا کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو اس کے لیے اختیار ہے کہ وہ اس (بیوی) کو اسی مجلس اور مجلس کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بعد طلاق دے اور اس (شوہر) کے لیے جائز ہے کہ وہ رجوع کرے کیوں کہ یہ تو کیل اور استعانت ہے لہٰذا نہ لازم ہوگا اور نہ مجلس پر منحصر رہے گا۔ برخلاف اس کے کہ (اس نے) اپنی بیوی سے کہا تو اپنے نفس کو طلاق دے۔ کیوں کہ وہ اپنے واسطے عمل کرنے والی ہے پس یہ تملیک ہوگی نہ کہ توکیل۔

(ب): **تشریح**: مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے کسی آدمی کو وکیل بنایا اور اس وکیل سے کہا "طلّق امرأتي" تو اس وکیل کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو چاہے مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد طلاق دے اور شوہر کے لیے اپنے قول سے رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل: یہ ہے کہ "طلق امرأتي" کے ذریعہ شوہر نے دوسرے آدمی کو وکیل بنایا ہے اور طلاق واقع کرنے میں اس سے مدد طلب کی ہے اور توکیل لازم نہیں ہوتی ہے چاہے شوہر اس کو وکالت پر باقی رکھے یا وکالت سے معزول کردے دونوں اختیار ہیں، اور اگر شوہر نے طلاق واقع کرنے کے سلسلے میں اس کو وکالت پر باقی رکھا تو یہ وکیل اسی مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔ بلکہ وکیل بالطلاق مجلس کے اندر بھی طلاق دے سکتا ہے اور مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے، کیوں کہ مؤکل کا اختیار ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر شوہر نے اپنی بیوی سے "طلّقي نفسک" کہا تو عورت کا یہ اختیار مجلس تک خاص رہے گا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار بھی حاصل نہیں ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ شوہر کے قول "طلّقي نفسک" یہ تملیک ہے توکیل نہیں ہے۔ کیوں کہ عورت اپنے واسطے کام کرے گے۔ یعنی شوہر نے عورت کو مالک کر دیا کہ وہ اپنے واسطے طلاق کا کام کرے، اور تملیک کی صورت میں شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اور تملیک مجلس ہی پر منحصر رہتی ہے لہٰذا عورت کا یہ اختیار مجلس ہی کے ساتھ خاص ہوگا، اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار بھی نہیں ہوگا۔ اور توکیل میں آدمی اپنے غیر کے لیے کام کرتا ہے تو جس طرح مؤکل کو اختیار رہتا ہے مجلس اور بعد مجلس کی کوئی قید نہیں رہتی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اسی طرح اس کے نائب کو بھی اختیار رہے گا۔ پس اس بیان سے تملیک اور توکیل کے درمیان فرق واضح ہو گیا۔

(ج): وله أن يرجع میں ضمیر کا مرجع "للقائل" ہے۔ (فتح القدیر: ج ۴، ص ۸۷)

(د): اگر شوہر طلق امرأتی ان شئت کہہ دے تو مسئلے کی صورت بدل جائے گی یہی نہیں رہے گی کیوں کہ اس صورت میں وکیل کا اختیار مجلس ہی پر منحصر رہے گا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۸۱

وَإِذْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ اِمْرَأَتِیْ فَلَهُ أَنْ يُّطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَوْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ فَلَهُ أَنْ يُّطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً. وَقَالَ زُفَرُ هٰذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّ التَّصْرِيْحَ بِالْمَشِيَّةِ لِعَدَمِهِ، لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيَّتِهِ فَصَارَ كَالْوَكِيْلِ بِالْبَيْعِ إِذَا قِيْلَ لَهُ بِعْهُ إِنْ شِئْتَ وَلَنَا أَنَّهُ تَمْلِيْكٌ لِأَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالْمَشِيَّةِ وَالْمَالِكُ هُوَالَّذِيْ يَتَصَرَّفُ عَنْ مَشِيَّتِهِ وَالطَّلَاقُ يَحْتَمِلُ التَّعْلِيْقَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ.

(الف): ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب): جانبین کے دلائل کی تشریح کرتے ہوئے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب مفصل لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب مرد نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ تو میری بیوی کی طلاق دیدے تو اس (مرد) کو اختیار ہے کہ وہ اس کو (اس کی بیوی کو) مجلس اور مجلس کے بعد طلاق دے اور اگر مرد نے کسی دوسرے مرد سے کہا کہ اس کو (میری بیوی کو) طلاق دیدے اگر تو چاہے، تو اس (وکیل) کو اختیار ہے کہ خاص کہ اسی مجلس میں عورت کو طلاق دیدے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ صورت اور پہلی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صورت برابر ہے کیوں کہ چاہنے کی صراحت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ اس لیے کہ وہ (وکیل) اپنی مشیت ہی سے تصرف کرتا ہے پس (وکیلِ طلاق) ایسا ہو گیا جیسے وکیل بالبیع کہ جب اس سے کہا گیا کہ تو فروخت کرا گر تو چاہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تملیک ہے کیوں کہ اس کو مشیّت پر معلق کیا ہے اور امام مالک تو وہی ہے جو اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے اور طلاق، تعلیق (شرط) کا احتمال رکھتی ہے، بر خلاف بیع کے (کیوں کہ وہ تعلیق کو برداشت نہیں کرتی)۔

تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے کسی دوسرے مرد سے کہا ''طلق امرأتی'' یعنی اپنے غیر کو طلاق دینے کا وکیل بنایا تو اس وکیل کے لیے اختیار ہے کہ وہ اس عورت کو اسی مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد طلاق دے یعنی یہ مجلس ہی پر منحصر نہیں رہے گا بلکہ مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر شوہر نے کسی دوسرے مرد سے کہا ''طلقھا إن شئت'' یعنی اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو اس صورت میں اس مرد کو صرف اسی مجلس کے اندر طلاق دینے کا اختیار ہوگا اور مجلس کے بعد طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ ''طلق امرأتی'' اور ''طلقھا إن شئت'' دونوں حکم میں برابر ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مشیت کو صراحتاً ذکر کرنا اور صراحتاً ذکر نہ کرنا دونوں برابر ہے کیوں کہ وہ آدمی جس کو طلاق دینا چاہتا ہے تبھی کام ہوتا ہے اس لیے کہ طلاق دینا اس اجنبی آدمی کا جس کو طلاق دینے کا وکیل بنایا ہے اختیاری فعل ہے اور فعلِ اختیاری بغیر مشیت کے متحقق نہیں ہوتا پس جب دونوں برابر ہیں تو قول ثانی یعنی ''طلقھا إن شئت'' بھی قول اول یعنی طلق امرأتی کی طرح توکیل ہوگا جیسا کہ وکیل بالبیع سے کہا ''بعہ إن شئت'' یعنی اگر کسی آدمی کو بیچنے کے بارے میں وکیل بنایا تو یہ توکیل مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی بلکہ مجلس کے بعد بھی اس کو بیچنے کا اختیار رہتا ہے اور مؤکل کے لیے رجوع کا اختیار رہتا ہے اسی طرح یہاں بھی طلاق دینے کا اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا بلکہ مجلس کے بعد بھی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

باقی رہے گا اور شوہر کے لیے اپنے قول سے رجوع کا اختیار بھی باقی رہے گا۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ قول ثانی یعنی ”طلقها إن شئت“ یہ توکیل نہیں ہے بلکہ تملیک ہے اور اس تملیک کے اندر تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں کیوں کہ اس نے طلاق کو غیر کی مشیت پر معلق کیا ہے پس اس قول ثانی یعنی طلقها إن شئت کے اندر دو چیزیں ہیں ایک تملیک دوسرے تعلیق پس تملیک کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور تعلیق یعنی شرط کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تصرف لازم ہوگا اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار حاصل نہیں ہوگا اور اس کا یہ اختیار مجلس ہی میں منحصر رہے گا اور مجلس کے بعد اس کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(ب): جانبین کے دلائل کی تشریح: مطلب کے ضمن میں گذر گئی وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

اور امام زفرؒ کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آپ نے طلاق کو جو بیع پر قیاس کیا ہے قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ طلاق تعلیق یعنی شرط کا احتمال رکھتی ہے اور بیع تعلیق یعنی شرط کا احتمال نہیں رکھتی ہے کیوں کہ بیع کے اندر شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۸۲

وَإِنْ أَمَرَهَا بِطَلَاقٍ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَطَلَّقَتْ بَائِنَةً أَوْ أَمَرَهَا بِالْبَائِنِ فَطَلَّقَتْ رَجْعِيَّةً وَقَعَ مَا أَمَرَ بِهِ الزَّوْجُ وَإِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلٰثًا إِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ وَاحِدَةً إِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ ثَلٰثًا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ لِأَنَّ مَشِيَّةَ الثَّلٰثِ مَشِيَّةٌ لِلْوَاحِدَةِ كَمَا أَنَّ إِيْقَاعَهَا إِيْقَاعٌ لِلْوَاحِدَةِ فَوُجِدَ الشَّرْطُ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): تینوں صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے اخیر صورت میں صاحبین نے ایک طلاق کو کس طرح ثابت کیا ہے مدلل لکھیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور اگر (مرد نے) عورت کو ایسی طلاق کا حکم دیا (جس میں) رجعت کر سکتا ہے پس عورت نے (اپنے آپ) کو بائنہ طلاق دے دی یا شوہر نے اس کو طلاق بائن کا حکم دیا اور اس نے طلاق رجعی دی تو وہی واقع ہوگی جس کا شوہر نے حکم دیا ہے اور اگر مرد نے عورت سے کہا تو اپنے نفس کو تین طلاق دیدے اگر تو چاہے، پس عورت نے ایک طلاق دی تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر (مرد نے) عورت سے کہا تو اپنے نفس کو ایک طلاق دیدے اگر تو چاہے اس نے تین طلاق تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ کیوں کہ تین کا چاہنا ایک کا چاہنا نہیں ہے جیسا کہ تین کا واقع کرنا (ایک کا واقع کرنا نہیں ہے) اور صاحبین نے فرمایا کہ ایک واقع ہوگی کیوں کہ تین کا چاہنا ہے جیسا کہ تین کا واقع کرنا ایک واقع کرنا ہے پس شرط پائی گئی۔

(ب): اس عبارت کے اندر مسئلے کی تین صورتیں بیان کی گئیں ہیں۔ پہلے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے اپنے بیوی کو طلاق رجعی کا اختیار دیا مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ''طلقي نفسک واحدة'' اور بیوی نے جواب میں کہا ''طلقت نفسي واحدة بائنة'' یعنی بیوی نے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر لی۔ یا شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن کا حکم دیا مثلاً شوہر نے کہا ''طلقي نفسک واحدةً بائنةً'' تو بیوی نے جواب میں کہا ''طلقت نفسي واحدة رجعية'' یعنی بیوی نے اپنے آپ کو طلاق رجعی دی اور طلاق بائن نہیں دی۔ غرضیکہ بیوی نے وصفِ طلاق میں اپنے شوہر کی مخالفت کی ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں وہی طلاق واقع ہوگی جس کا شوہر نے اس کو حکم دیا ہے یعنی پہلی صورت میں طلاقِ رجعی اور دوسری صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی۔

مسئلہ کی دوسری صورت: یہ ہے کہ شوہر نے بیوی سے ''طلقي نفسک ثلاثاً إن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شئت" کہا، عورت نے اس کے جواب میں "طلقت نفسي واحدة" کہا یعنی عورت نے اپنے اوپر ایک طلاق واقع کی اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مسئلہ کی تیسری صورت: یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے "طلقي نفسک واحدةً إن شئت" کہا، اور عورت نے اس کے جواب میں "طلقت نفسي ثلاثاً" کہا یعنی اپنے آپ کو تین طلاقیں دی تو امام صاحبؒ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ تین اور ایک میں مغایرت ہے۔ لہٰذا تین طلاقوں کو چاہنا ایک طلاق کا چاہنا نہیں ہے کیوں کہ احد الضدین کی مشیت آخر کی مشیت کو مستلزم نہیں۔ یعنی شرط یہ تھی کہ عورت ایک طلاق کی خواہش کرے لیکن اس نے تین طلاقوں کی خواہش کی پس شرط نہیں پائی گئی اس وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنی بیوی سے کہا "طلقي نفسكِ واحدةً" اور عورت نے تین طلاقیں واقع کر لیں تو امام صاحبؒ کے نزدیک کوئی طلاق نہیں ہوگی کیوں کہ امام صاحب کے نزدیک تین طلاق کا واقع کرنا ایک طلاق کا واقع کرنا نہیں ہے اور شرط یہ تھی کہ ایک طلاق واقع کرے لہٰذا شرط نہیں پائی گئی۔

اور صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تین طلاقوں کی خواہش میں ایک طلاق کی خواہش موجود ہے جیسا کہ تین طلاقوں کا واقع کرنا ایک طلاق کا واقع کرنا ہوتا ہے پس شرط پائی گئی اس وجہ سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔

نوٹ: اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ تین طلاقوں کی مشیت میں ایک طلاق کی مشیت امام صاحبؒ کے نزدیک موجود نہیں ہے اسی طرح تین طلاقوں کے واقع کرنے میں ایک طلاق کا واقع کرنا موجود نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تین کی مشیت میں ایک کی مشیت اور اسی طرح تین کے واقع کرنے میں ایک کا ایقاع موجود ہے اسی وجہ سے صاحبین کے نزدیک ایک طلاق پڑ جائے گی اور امام صاحب کے نزدیک کوئی طلاق نہیں پڑے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص/۳۸۳

وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ كُلَّمَا شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتّٰى تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلاثاً لِأَنَّ كَلِمَةَ كُلَّمَا تُوجِبُ تَكْرَارَ الْأَفْعَالِ إِلَّا أَنَّ التَّعْلِيقَ يَنْصَرِفُ إِلَى الْمِلْكِ الْقَائِمِ حَتّٰى لَوْ عَادَتْ إِلَيْهِ بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ لِأَنَّهُ مِلْكٌ مُسْتَحْدَثٌ وَلَيْسَ لَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا ثَلاثًا فِي كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ لِأَنَّهَا تُوجِبُ عُمُومَ الْأَفْرَادِ لَا عُمُومَ الْإِجْتِمَاعِ فَلاَ تَمْلِكُ الْإِيْقَاعَ جُمْلَةً وَجَمْعًا.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): بتائیں کہ عبارت میں ''ملک قائم'' اور ملک مستحدث سے کیا مراد ہے؟

(ج): پھر عبارت کا مطلب لکھتے ہوئے ''لو عادت الیه الخ'' کو مثال سے سمجھائیے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر (مرد نے) عورت سے کہا تو طالقہ ہے جب، جب تو چاہے، تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک کے بعد ایک (طلاق) دیتی جائے حتیٰ کہ اپنے کو تین طلاقیں دے لے کیوں کہ کلمۂ کلما افعال کے تکرار کا موجب ہے مگر یہ کہ تعلیق ملکِ موجود کی طرف لوٹے گی یہاں تک کہ اگر (عورت) دوسرے شوہر کے بعد اسی شوہر سے (یعنی پہلے شوہر) کے پاس لوٹ آئی اور اس نے اپنے آپ کو پھر طلاق دی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ یہ ملک جدید ہے اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کلمۂ واحدہ میں تین طلاقیں دیدے کیوں کہ لفظ کلما عموم افراد کا موجب ہے نہ کہ عموم اجتماع کا پس وہ یکبارگی اور جمع کرکے واقع کرنے کی مالک نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): ملکِ قائم: سے وہ ملک مراد ہے جو شوہر اول کے پہلے نکاح کے وقت موجود ہے اور ملک مستحدث سے مراد وہ ملک ہے جو شوہر ثانی کے طلاق دینے کے بعد شوہرِ اول دوبارہ نکاح کر کے مالک ہوا ہے۔

(ج): **مطلب**: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا "انت طالق کُلما شئتِ" تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو یکے بعد دیگرے طلاق دیتی رہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے دلیل یہ ہے کہ شوہر نے اپنے کلام میں لفظ "کلما" کو استعمال کیا ہے اور لفظ "کلما" افعال کے تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور "کلما" کے تکرار کا تقاضا کرنے پر دلیل قرآن پاک کی آیت "نضجت جلودھم الآیۃ" ہے۔
پس جب ایسا ہے تو عورت کو یکے بعد دیگرے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔

إلاأن التعليق سے ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ ہدایہ ثانی: کی تقریر یہ ہے کہ جب کلمہ کلما افعال کے تکرار کا تقاضا کرتا ہے تو اس عورت نے اگر تین طلاقیں واقع کر لیں پھر اس کے بعد اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا تو دوسرے شوہر کے طلاق دینے کے بعد پہلے شوہر کے پاس لوٹ کر آئی اور اس سے نکاح کر لیا تو اس عورت کو پھر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہونا چاہئے۔ کیوں کہ کلمہ کلما کا موجب تکرارِ افعال ہے حالانکہ زوج اول سے دوبارہ نکاح کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے؟

(فتح القدیر: ج۴ص:۹۴)

اس ہدایہ ثانی: کا جواب یہ ہے کہ تعلیق ملک موجود کی طرف لوٹے گی یعنی شوہر اول نے اپنی بیوی کو وہی طلاقیں واقع کرنے کا اختیار دیا ہے جو اس کی ملک میں اس وقت موجود ہیں اور زوجِ ثانی کے طلاق دینے کے بعد جب وہ لوٹ کر زوجِ اول کے پاس دوسرے نکاح کے ذریعے آئی اور پھر اپنے آپ کو طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ یہ ملک تو جدید نکاح سے پیدا ہوئی اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کرلے۔ دلیل یہ ہے کہ کلمہ کلما عموم افراد کا موجب ہے نہ کہ عموم اجتماع کا بایں طور کہ عورت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اپنے آپ کو ایک ہی کلمہ کے ذریعہ تین طلاقیں دے لے۔ اس طور پر کہ کہے "طلقت نفسی ثلاثاً"۔ لہٰذا عورت کو یکبارگی اور جمع کرکے واقع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۃً او جمعًا دونوں کے ایک معنیٰ ہیں اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جملۃ یہ ہے کہ عورت کہے "طلقت نفسی ثلاثاً" اور جمع یہ ہے کہ عورت کہے "طلقت نفسی واحدۃ وواحدۃ وواحدۃ" اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۴۰۳)

لو عادت الیہ الخ: کی مثال یہ ہے کہ حامد نے فاطمہ سے نکاح کیا اور فاطمہ کو لفظ کلمہ کے ذریعہ اختیار دے دیا اور فاطمہ نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دینے کے بعد عدت گذار کر راشد سے نکاح کیا پھر راشد کے طلاق دینے کے بعد عدت گذار کر پھر حامد جو کہ فاطمہ کا زوج اول ہے کے پاس آئی اور نئے سرے سے نکاح کیا تو اب فاطمہ کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا دلیل عبارت کی تشریح کے ضمن میں گذر گئی وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۸۵

وَإِذَا اَضَافَهُ إِلٰى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلَ أَنْ يَّقُولَ لِإِمْرَأَتِهِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَهٰذَا بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْحَالِ وَالظَّاهِرُ بَقَاءُهٗ إِلٰى وَقْتِ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَيَصِحُّ يَمِيْنًا أَوْ إِيْقَاعًا.

(الف): ترجمہ اور جامع تشریح کریں۔

(ب): فیصح یمینا سے امام ابو حنیفہؒ اور ایقاعاً سے امام شافعیؒ کے کس ضابطے کا بیان مقصود ہے وضاحت کے ساتھ لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب طلاق کو کسی شرط کی جانب منسوب کیا تو طلاق

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شرط کے بعد واقع ہوگی جیسے اپنی منکوحہ بیوی سے کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو، تو طالقہ ہے اور یہ (حکم) متفق ہے؛ کیوں کہ ملکِ نکاح فی الحال موجود ہے اور ظاہر اس کی بقا ہے وجود شرط کے وقت تک پس یمیناً یا ایقاعاً (اس کا معلق کرنا) صحیح ہے۔

تشریح : صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر منکوحہ بیوی ہے اور اس کے شوہر نے اس منکوحہ بیوی کے طلاق کو کسی شرط پر معلق کردیا ہے تو شرط پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہوجائے گی مثلاً اپنی بیوی سے کہا ''إن دخلت الدار فانت طالق'' تو شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو دخولِ دار پر معلق کیا ہے تو جب دخولِ دار جو کہ شرط ہے پایا جائے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور یہ حکم بالاتفاق ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ شرط کے پائے جانے کے وقت منجّز ہوتی ہے۔

لأن الملک قائم الخ سے ایک ہدایہ ثانی: کا جواب دینا ہے ہدایہ ثانی: یہ ہے کہ یہ بات تو تسلیم ہے کہ جب ملک موجود ہو تو شرط کے پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہوجائے گی لیکن شرط کے پائے جانے سے پہلے اس ملک کے زائل ہونے کا احتمال ہے اس طور پر یہ شخص شرط کے پائے جانے سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق منجّز دیدے پس مناسب ہے کہ ملک کے زائل ہونے کے احتمال کی وجہ سے اس کی یمین بالکل صحیح ہو؟۔ (بنایہ: ص۱۴/ ۲۱۴)

اس ہدایہ ثانی: کا جواب یہ ہے کہ جس وقت شوہر نے طلاق کو شرط پر معلق کیا اس وقت تو ملک موجود ہی ہے اور آئندہ شرط کے پائے جانے کے وقت تک اس ملک کے باقی رہنے کا غالب گمان ہے کیوں کہ جو چیز ثابت ہوجاتی ہے اس میں اصل یہی ہے کہ وہ چیز ہمیشہ باقی رہے اور نکاح آدمی ہمیشہ ہمیش کے لیے کرتا ہے کسی ایک وقت تک کے لیے نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا ملک کے زائل ہونے کے متوہم احتمال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ فی الحال بھی ملک موجود ہے اور آئندہ کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ ملک باقی رہے گی تو اس کلام کا معلق ہمارے نزدیک یمین بن کر اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایقاع بن کر صحیح ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): فيصح يميناً سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس ضابطے کی طرف اشارہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں مثلاً "إن دخلت الدار فانت طالق" میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکلم کے وقت شوہر کا یہ کلام صرف یمین ہے اور شرط کے پائے جانے کے وقت ایقاع طلاق متحقق ہوگا گویا کہ جس وقت عورت گھر میں داخل ہوئی اس وقت شوہر نے انت طالق کہا۔

اور ایقاعاً سے امام شافعیؒ کے اس ضابطے کی طرف اشارہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں مثلاً "ان دخلت الدار فانت طالق" میں امام شافعیؒ کے نزدیک تکلم کے وقت ہی طلاق واقع کرنا متحقق ہوگا۔ لہٰذا دخولِ دار پر ایقاع معلق نہیں ہے بلکہ وقوع طلاق معلق ہے۔

نوٹ: احناف اور شوافع کے درمیان تعلیق کے سلسلے میں جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک تکلم بالتعلیق اور وجود شرط دونوں اوقات میں ملک کا پایا جانا شرط ہے۔ اور احناف کے نزدیک وجودِ شرط کے وقت ملک کا ہونا ضروری ہے تعلیق کے وقت ضروری نہیں ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۸۵

وَلَا تَصِحُّ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَالِفُ مَالِكًا أَوْ يُضِيفُهُ إِلٰى مِلْكٍ لِأَنَّ الْجَزَاءَ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ ظَاهِرًا لِيَكُونَ مُخِيفًا فَيَتَحَقَّقُ مَعْنَى الْيَمِيْنِ وَهُوَ الْقُوَّةُ. وَالظُّهُوْرُ بِأَحَدِ هٰذَيْنِ.

(الف): ترجمہ اور مطلب کے ساتھ ظاہراً کی وضاحت مطلوب ہے۔

(ب): هٰذين کا مشار الیہ متعین کریں نیز تعلیق طلاق کے سلسلہ میں ملک اور اضافت الی الملک کو شامل سے واضح کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور طلاق کو شرط کی طرف مضاف کرنا صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ قسم کھانے والا (بالفعل طلاق کا) مالک ہو یا طلاق کو ملک کی طرف منسوب کرے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کیوں کہ جزاء کے واسطے غالب الوجود ہونا ضروری ہے تا کہ وہ ڈرانے والا ہوجائے، پس قسم کے معنی متحقق ہوجائیں گے اور وہ قوت ہے اور ظہور قوت ان دونوں میں سے ایک کے ذریعے ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، ضابطہ یہ ہے کہ طلاق کو شرط کی طرف منسوب کرنا اس وقت صحیح ہوگا جب کہ قسم کھانے والا جس چیز پر قسم کھا رہا ہے اس چیز کا بالفعل مالک ہو مثلاً اپنی منکوحہ بیوی سے کہے ان دخلت الدار فانتِ طالق،، یعنی اگر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے، یا طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے جیسے کسی اجنبیہ سے کہے: ''ان نکحتکِ فانت طالق،، یعنی اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہے اذا ملکتُکِ فانت طالق،، یعنی جب تو میرے ملک میں آوے تو تجھے طلاق ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہوجائے گی۔

دلیل یہ ہے کہ جزاء کا غالب الوجود ہونا ضروری ہے تا کہ جزاء کے واقع ہونے کے ذریعے مخاطب کو خوف دلا سکے، اور یمین کے معنیٰ قوت کے ہیں اور قوت کا ظہور ان دو امروں میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یعنی حالف بالفعل مالک ہو یا ملک کی طرف نسبت کی گئی ہو یعنی ملک فی الحال ہو یا سبب ملک کی طرف مضاف ہو تو اس وقت طلاق کا ظہور ہوسکتا ہے تو خوف ہوجائے گا۔

ظاہراً عبارت کی وضاحت: عبارت کے اندر ظاہراً سے مراد غالب الوجود اور ظاہر الوجود ہے یعنی شرط کے وقت جزاء کا پایا جانا یا تو ظاہر ہوگا یہ اس وقت ہوگا جب کہ بیوی اس کے نکاح میں ہو، یا جزاء کے پائے جانے کا غالب گمان ہوگا یہ اس وقت ہوگا جب کہ عورت اس کے نکاح میں نہ ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ظاہراً سے مراد غالب الوجود یا ظاہر الوجود ہے جیسا کہ صاحب بنایہ نے جلد ۵ / ص: ۴۱۴ میں کہا ہے اور صاحب فتح القدیر نے ظاہراً سے غالب الودجود مراد لیا ہے جیسا کہ جلد ۴ / ص / ۱۰۵ میں کہا ہے۔

(ب): هذین کا مشار الیہ ملک اور اضافت الی الملک ہے۔ (بنایہ: ص / ۴۱۵)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تعلیق طلاق کے سلسلے میں ملک ار اضافت الی الملک کی مثال سے وضاحت: ملک کی مثال جیسے کوئی آدمی اپنی منکوحہ بیوی سے کہے "ان دخلت الدار فانت طالق" اس میں طلاق کو اپنی ملک پر معلق کیا ہے۔

اضافت الی الملک کی مثال جیسے اگر کوئی آدمی اجنبیہ عورت سے کہے "ان نکحتک فانت طالق" اس مثال میں اس نے ملکیت پر معلق نہیں کیا ہے بلکہ ملکیت کے پائے جانے پر معلق کیا ہے یعنی اگر وہ نکاح کے ذریعہ مالک ہوگا تو طلاق واقع ہوگی۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۹۰

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهٰذَا الْعَارِضِ وَهِيَ السَّبَبُ وَلَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ اِرْثِهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ وَالزَّوْجُ قَصَدَ اِبْطَالَهٗ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهٗ بِتَاخِيْرِ عَمَلِهٖ إِلٰى زَمَانِ اِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا وَقَدْ اَمْكَنَ.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

(ب): ھٰذا العارض کی مراد متعین کریں۔

(ج): عبارت کی اطمینان بخش تشریح کرتے ہوئے اختلاف ائمہ مع دلائل واضح کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دی اپنے مرضِ وفات میں پھر مرگیا حال یہ کہ وہ عورت عدت میں ہے تو (عورت) اس کی وارث ہوگی اور اگر وہ (عورت کی) عدت گذرنے کے بعد مرا تو عورت کے واسطے میراث نہیں ہوگی۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وارث نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوگی کیوں کہ زوجہ ہونا اس عارضی (یعنی طلاقِ بائن کے پیش آنے) کی وجہ سے باطل ہوگیا حالانکہ زوجہ ہونا ہی (میراث کا) سبب تھا۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجہ ہونا شوہر کے مرضِ وفات میں عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے اور شوہر نے اس کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو شوہر کا (یہ) قصد اسی پر رد کردیا جائے گا زمانۂ عدت تک گذرنے کے لیے اس کے عمل کو مؤخر کرکے تا کہ عورت سے ضرر دور ہو۔اور (ایسی تاخیر) ممکن بھی ہے۔

(ب): **ھذاالعارض** سے مراد طلاقِ بائن ہے۔ (ہدایہ ثانی بین السطور: ص/۳۹۰)

(ج): **تشریح**: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی بیوی کی رضامندی کے بغیر پھر اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور بیوی ابھی عدت میں ہی ہے تو احناف کے نزدیک بیوی وارث ہوگی۔اور اگر عدت کے گذر جانے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا ہے تو احناف کے نزدیک بیوی وارث نہیں ہوگی۔اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں وارث نہیں ہوگی۔خواہ شوہر کا انتقال عدت میں ہوا ہو یا عدت کے ختم ہونے کے بعد انتقال ہوا ہو۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ زوجین کے درمیان وراثت کا سبب زوجیت کا رشتہ ہے اور طلاق بائن واقع کرنے کی وجہ سے زوجیت باطل ہوگئی۔حالانکہ زوجہ ہونا ہی میراث کا سبب تھا۔لہٰذا وراثت کا حکم بغیر سبب کے ثابت نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر اس حال میں عورت کا انتقال ہوجائے تو شوہر وارث نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ شوہر مرضِ وفات میں عورت کا بیوی ہونا عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے کیوں کہ شوہر کے مرضِ وفات میں بیوی کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہوجاتا ہے۔پس اس حالت میں یعنی شوہر نے اپنی مرض الموت کی حالت میں طلاقِ بائن دے کر اس کے حقِ وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا اس کے غلط ارادے کو اسی پر لوٹا دیا جائے گا بایں طور کہ طلاق کے عمل کو عدت گذرنے کے زمانے تک

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے لیے مؤخر کر دیا گیا تا کہ عورت سے حرمانِ وارثت کا ضرر دور ہو۔

وقد امکن سے ایک ہدایہ ثانی: کا جواب ہے: ہدایہ ثانی: یہ ہے کہ اگر طلاق کے عمل کو مؤخر کرنے کا سبب عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے تو اس حکم میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا قبل انقضاء العدت اور بعد انقضاء العدت سب برابر ہونی چاہئیں یعنی جس طرح اگر مدخول بہا کو طلاقِ بائن مرض الموت میں دے دی تو عدت گزرنے سے پہلے وراثت ملنی چاہیے۔ اسی طرح غیر مدخول بہا کو بھی وراثت ملنی چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ اگر مدخول بہا کو اپنے مرض الموت میں طلاق دے دی اور عدت گذرنے کے بعد مرا تو عورت وارث نہیں ہوگی اور ایسے ہی اگر غیر مدخول بہا کو مرضِ وفات میں طلاق دی اور پھر مر گیا تو یہ غیر مدخول بہا بھی وارث نہیں ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کے عمل کو مؤخر کرنے کا سبب عورت سے ضرر کو دور کرنا نہیں ہے۔

اس ہدایہ ثانی: کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ طلاق کے عمل کو مؤخر کرنے کا سبب عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے لیکن طلاق کے عمل کو اسی حد تک مؤخر کیا جا سکتا ہے جس حد تک مؤخر کرنا ممکن ہو۔ اور چونکہ عدت کے ختم ہونے تک طلاق کے عمل کو مؤخر کرنا ممکن ہے۔ کیوں کہ عدت میں من وجہ نکاح باقی رہتا ہے اس وجہ سے عدت کے ختم ہونے تک طلاق کے عمل کو مؤخر کر دیا گیا۔ اور چوں کہ عدت گذر جانے کے بعد نکاح بالکل باقی نہیں رہتا ہے نہ من وجہٍ اور نہ من کل وجہٍ۔ پس معلوم ہوا کہ عدت کے بعد تک طلاق کے عمل کو مؤخر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس وجہ سے مابعد الموت طلاق کے عمل کو مؤخر نہیں کیا گیا۔ اور چوں کہ غیر مدخول بہا پر عدت واجب نہیں ہے لہٰذا اس کے حق میں بھی طلاق کے عمل کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔

ہدایہ ثانی: ص ۳۹۲

وَمَنْ كَانَ مَحْصُوراً أَوْ فِي صَفِّ الْقِتَالِ فَطَلَّقَ إِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا لَمْ تَرِثْهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ بَارَزَ رَجُلاً أَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ فِي قِصَاصٍ أَوْ رَجْمٍ وَرِثَتْ إِنْ مَاتَ ذٰلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ وَأَصْلُهُ مَا بَيَّنَّا أَنَّ إِمْرَأَةَ الْفَارِ تَرِثُ إِسْتِحْسَانًا وَإِنَّمَا يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِتَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ وَإِنَّمَا يَتَعَلَّقُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بِمَرَضٍ يُخَافُ مِنْهَا الْهَلَاكُ غَالِبًا وَقَدْ يَثْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِمَا هُوَ فِي مَعْنَى الْمَرَضِ فِي تَوَجُّهِ الْهَلَاكِ الْغَالِبِ.

(الف): ترجمہ و مطلب لکھیں۔

(ب): دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کی وضاحت کے لیے صاحب ہدایہ کے بیان کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور جو شخص (قلعہ) میں محصور ہو یا وہ لڑائی کی صف میں ہو پس اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں (پھر مرد مارا گیا) تو عورت اس کی وراث ہوگی اور اگر وہ شخص کسی مرد سے مقابلہ کے لیے نکلا یا پیش کیا گیا تا کہ قصاص یا رجم میں قتل کیا جائے پس اگر وہ اس وجہ سے مرا یا قتل کیا گیا تو عورت وارث ہوگی اور اس کی اصل وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ (طلاق دے کر میراث سے) بھاگنے والے کی بیوی وارث ہوگی استحسانا اور بھگوڑے ہونے کا حکم اسی وقت ثابت ہوگا جب کہ عورت کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو جائے اور (عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ) ایسے مرض سے متعلق ہوگا جس سے ہلاکت کا خوف غالب ہو اور کبھی فرار کا حکم ثابت ہو جاتا ہے اس چیز سے جو غالب ہلاکت میں مرض الموت کے معنیٰ میں ہو۔

مطلب: اس عبارت کے اندر عورت کے شوہر کے مالِ متروکہ کے وارث ہونے اور نہ ہونے کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ایک حدیث میں عورت شوہر کے مالِ متروکہ کی وارث ہوگی اور ایک صورت میں وراثت نہیں ہوگی۔

پہلی صورت جس میں عورت شوہر کے مالِ متروکہ کی وارث ہوگی یہ ہے کہ اگر کوئی ں قلعہ میں محصور ہے اور دشمنوں نے قلعہ گھیر رکھا ہے یا لڑائی کی صف میں ہے ایسی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حالت میں اس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں پھر اس شخص کی وفات ہوگئی تو اس کی یہ بیوی وارث نہیں ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لڑائی کی صف سے نکل کر قتال کے لیے دشمن کے سامنے آیا یا کسی کو قصاص یا رجم کی وجہ سے قتل کیا گیا تو اس کی بیوی وراث ہوگی اس مسئلہ کی اصل وہ ہے جس کو سابق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امرأۃ فار یعنی بھاگنے والے کی بیوی استحساناً وارث ہوگی قیاساً وارث نہیں ہوگی۔

فرار کا حکم کب ثابت ہوگا اس بارے میں صاحب ہدایہ کی رائے یہ ہے کہ جس وقت عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ متعلق ہو جائے تو فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا یعنی اس وقت اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی تو یہ طلاق فار ہوگی اور عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ اس وقت متعلق ہوتا ہے جب کہ شوہر کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ اس سے ہلاکت کا اندیشہ غالب ہو مثلاً شوہر صاحبِ فراش ہو یعنی تندرستوں کی طرح اپنی ضروریات پورا کرنے پر قادر نہ ہو مثلاً قضائے حاجت کے لیے جانے پر قدرت نہیں ہے یا نماز کے لیے مسجد نہیں جا سکتا ہے۔

اور فرار کا حکم مرض ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جس سے ہلاکت کا خوف غالب ہو وہ مرض موت کے حکم میں ہے اور اس سے فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا مثلاً کشتی میں بحری سفر پر ہے اور پانی میں اس قدر طغیانی پیدا ہوگئی کہ ڈوبنے کا اندیشہ غالب ہو گیا پس اگر اس نے اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق بائن دیدی تو فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا۔

(ب): دونوں صورتوں کے حکم میں فرق کی وضاحت صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ جو شخص قلعہ میں محصور ہے اور جو لڑائی کی صف میں ہے اس میں سلامتی غالب ہے اس لیے اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا اور وارث وہاں ہوتی ہے جہاں فرار کا حکم ثابت ہوتا ہے اور سلامتی کے غالب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قلعہ دشمن کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور یہی حکم لشکر کا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور وہ شخص جو مقابلہ کے لیے صف سے باہر نکل آیا یا قتل کے لیے پیش کیا گیا یا رجم کے لیے پیش کیا گیا تو اس میں ہلاکت غالب ہے لہٰذا اس سے فرار کا حکم ثابت ہوگا اور جہاں فرار کا حکم ثابت ہوتا ہے وہاں شوہر کے مال متروکہ میں عورت کو وراثت ملتی ہے لہٰذا یہاں بھی عورت وارث ہوگی۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۹۵

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ لَا تَصِحُّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ: لِقَوْلِهِ تَعَالَى: "وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ وَالْأَمْرُ" لِلْإِيْجَابِ وَلَنَا إِطْلَاقُ النُّصُوصِ عَنْ قَيْدِ الْإِشْهَادِ، لِأَنَّهُ اِسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيهِ فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ كَمَا فِي الْفَيْءِ فِي الْإِيْلَاءِ إِلَّا أَنَّهَا تُسْتَحَبُّ لِزِيَادَةِ الْاِحْتِيَاطِ كَيْلَا يَجْرِي التَّنَاكُرُ فِيهَا.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): رجعت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے بتائیں کہ رجعت پر اشہاد واجب ہے یا مستحب؟ اور اختلافِ ائمہ کو مدلل کریں۔

(ج): رجعت کی شرائط شمار کرائیں نیز کیا رجعت کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اگر ہے تو ایک مثال بھی دیں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے پھر اگر (رجعت پر) گواہ نہ بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے، اور امام شافعیؒ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں فرمایا کہ صحیح نہیں ہے اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔ باری تعالیٰ کے قول "وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ" کی وجہ سے یعنی تم لوگ اپنے میں سے دو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عادل گواہ بنالو۔ اور یہ حکم بطور ایجاب کے ہے۔ اور ہماری دلیل قید اشہاد سے نصوص کا مطلق ہونا ہے اور اس لیے کہ وہ (یعنی رجعت) نکاح کے بقا کا نام ہے۔ اور نکاح میں حالتِ بقا میں شہاد شرط نہیں ہے جیسے ایلا میں رجوع کرنے میں (گواہ بنانا شرط نہیں ہے) مگر یہ کہ شہادت مستحب ہے زیادتی احتیاط کی وجہ سے تاکہ رجعت میں انکار جاری نہ ہوسکے۔

(ب): الرجعة في عبارة عن استدامة ملك النكاح. یعنی رجعت کہتے ہیں ملکِ نکاح کو برابر بدستور رکھنا۔

ہمارے نزدیک رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی دو آدمیوں سے کہے کہ تم دونوں گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کرلی ہے اور اگر گواہ نہیں بنایا ہے تو بھی ہمارے نزدیک رجعت صحیح ہے۔

امام شافعیؒ کی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان مرد کو گواہ بنائے بغیر رجعت کے تو رجعت ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور یہی قول امام مالکؒ کا ہے یعنی ان کے نزدیک بھی بغیر شہادت شاہدین کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: اس بات پر کہ رجعت پر گواہ بنانا واجب ہے "فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف" اور فارقوهن بمعروف واشهدو ذوى عدل منكم" یعنی جب ان کی عدت کا وقت قریب الختم ہوجائے تو ان کو روک لو، بغیر ضرر پہنچائے اور اپنے میں سے دو عادل گواہوں کو شاہد بنالو۔ وہ دونوں دلیل دیتے ہیں کہ اس آیت میں اشہدوا کا صیغہ آیا ہے اور یہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اس وجہ سے رجعت میں گواہ بنانا واجب ہے۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ رجعت کے سلسلے میں جو نصوص منقول ہیں کوئی بھی نص گواہ بنانے کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ تمام کی تمام قید اشہاد سے مطلق ہیں۔ مثلاً "فامسكوهن بمعروف اور الطلاق مرتان فامساك بمعروف

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور وبعولتهن احق بردهن اور فلا جناح عليهما أن يتراجعا" ۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "مر ابنک فليراجعها" اب اگر رجعت میں شہادت کو واجب قرار دیدیا گیا تو نصوص مطلقہ پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو ناجائز ہے۔

ہماری دلیل عقلی: یہ ہے کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے۔ اور بقاء نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں ہے لہٰذا رجعت کے لیے بھی شہادت شرط نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایلاء میں رجوع کرنے کے لیے شہادت شرط نہیں ہے کیوں کہ یہ بھی نکاح کی بقاء کی حالت ہے اور نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں ہے۔ لیکن رجعت میں زیادتی احتیاط کی وجہ سے گواہ بنانا مستحب ہے تاکہ عدت گذر جانے کے بعد لاعلمی کی وجہ سے لوگوں میں بدگوئی نہ پھیل جائے کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر عدت گذرنے کے بعد اس کو اپنے پاس رکھتا ہے اس بدگوئی سے بچنے کے لیے گواہ بنانے کو مستحب قرار دیا گیا ہے نہ کہ واجب، جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا۔

(ج): رجعت کے چند شرائط ہیں (۱) لفظ صریحی جیسے انت طالق یا بعض الفاظ کنائی، اعتدی استبرئی رحمک کے ساتھ طلاق دینا (۲) اس طلاق کے عوض میں مال نہ ہو۔ (۳) تین طلاق نہ دی ہوں (۴) عورت مدخول بہا ہو (۵) عدت موجود ہو۔ (بنایہ: ج/۵/ص ۴۵۵)

رجعت کا ثبوت کتاب اللہ، رسول اللہ اور اجماع تینوں سے ہے، کتاب اللہ سے ثبوت کی مثال "و بعولتهن احق بردهن"، اور بردهن میں رد سے مراد رجعت ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۹۶

وَإِذَا قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى وَإِنْ قَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلٰى لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا لِأَنَّهَا أَمِيْنَةٌ فِيْ ذٰلِكَ إِذْ هِيَ الْعَالِمَةُ بِهٖ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔
(ب): دونوں مسئلوں کی وضاحت کرتے ہوئے امام اعظمؒ کی دلیل قلمبند کریں۔
(ج): راجعت یہ کس باب سے ہے لغوی، صرفی تحقیق کرنے کے بعد اس کی خاصیت ضرور لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور جب باندی کے شوہر نے اس (زوجہ جو کہ باندی ہے) کی عدت گزر جانے کے بعد کہا میں اس کو (عدت میں) رجوع کر چکا تھا اور مولیٰ نے اس کی تصدیق کی اور باندی نے اس کو جھٹلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول (معتبر) ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ مولیٰ کا قول (معتبر) ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میری عدت گزر گئی اور باندی کے شوہر اور باندی کے مولیٰ نے کہا کہ تیری عدت نہیں گزری تو باندی کا قول (معتبر) ہوگا۔ کیوں کہ باندی اپنے اس قول ''انقضت عدتی،، میں امین ہے اس لیے کہ باندی ہی انقضائے عدت کو جاننے والی ہے۔

(ب): اس عبارت کے اندر دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر باندی کے شوہر نے اس کی عدت گزر جانے کے بعد کہا کہ میں اس کی عدت میں رجوع کر چکا تھا یعنی زوجہ کسی غیر کی باندی ہے اور غیر نے اس کا نکاح کسی شخص سے کر دیا پھر اس شخص یعنی شوہر نے باندی کو طلاق رجعی دی پھر عدت کے گزر جانے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں تو عدت میں اس سے رجعت کر چکا ہوں اور مولیٰ نے اس کی تصدیق بھی کی اور باندی نے اس کو جھٹلایا اور شوہر کے پاس رجعت کے گواہ نہیں ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ مولیٰ کا قول قبول ہوگا اور باندی کے شوہر کو سچا قرار دیا جائے گا اور باندی کے جھٹلانے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ رجعت کا حکم عدت کے باقی رہنے اور عدت کے ختم ہونے پر مبنی ہے یعنی اگر عدت باقی ہے تو رجعت ثابت ہو جائے گی اور وطی حلال ہوگی اور اگر عدت گذر گئی تو رجعت کا حکم ثابت نہیں ہوگا اور وطی حلال نہیں ہوگی۔ اور عدت کی بقاء اور عدم بقاء میں عورت کا قول معتبر ہے نہ کہ مولیٰ کا۔ پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت کا حکم عدت پر مبنی ہے لہٰذا اس میں بھی عورت کا قول معتبر ہوگا۔ (بنایہ: ص:۴۲۶)

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گذر گئی ہے اور ایام اتنے ہیں کہ عدت کا گذرنا ممکن ہے اور باندی کے شوہر اور باندی کے مولیٰ نے تکذیب کی یعنی کہا کہ تیری عدت نہیں گذری تو باندی ہی کا قول معتبر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ باندی عدت کے ختم ہونے کے سلسلے میں امین ہے اس لیے کہ باندی ہی عدت کے گذرنے کا علم رکھتی ہے۔

ہدایہ ثانی: ص/۳۹۸

وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ لِأَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ إِذَا النِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَكُونُ مَشْرُوعًا وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا أَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا أَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ لِأَنَّهَا رُبَمَا تَكُونُ مُجَرَّدَةٌ فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلٰى مَوْضِعٍ يَصِيرُ بِهِ مُرَاجِعًا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُولُ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب تحریر کیجیے۔

(ج): مراجعت کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں مطلقہ رجعیہ کے پاس اسے آگاہ کر کے جانا کیوں مستحب ہے؟ وضاحت کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): ترجمہ: اور مطلقہ رجعیہ (اپنے آپ کو) آراستہ کرے اور مزین کرے، کیوں کہ یہ عورت اپنے شوہر کے واسطے حلال ہے اس لیے کہ نکاح دونوں میں قائم ہے۔ پھر رجعت کرنا مستحب ہے اور عورت کا سنگار اس پر آمادہ کرنے والا ہے اس لیے سنگار مشروع ہوگا اور اس کے شوہر کے لیے مستحب ہے کہ پاس نہ جائے یہاں تک کہ اس کو باخبر کردے یا اس کو اپنے جوتوں کی آہٹ سنادے۔ قدوری کے کلام کی مراد یہ ہے کہ جب اس (شوہر) کا ارادہ مراجعت کا نہ ہو۔ کیوں کہ عورت بسا اوقات ننگی ہوتی ہے تو (ہوسکتا ہے کہ) اس کی نظر ایسی جگہ پر پڑ جائے جس سے وہ رجعت کرنے والا ہو۔ پھر وہ اس کو طلاق دے گا تو عورت پر زمانۂ عدت دراز ہوجائے گی۔

(ب): تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی ہو تو اس بیوی کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو آراستہ اور مزین کرے یعنی اپنے چہرے اور رخساروں کو صاف ستھرا رکھے اور اس دوران خوب سج دھج کر رہے۔ دلیل یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر کے لیے حلال ہے کیوں کہ دونوں کے درمیان نکاح موجود ہے طلاق رجعی دینے کی وجہ سے نکاح ختم نہیں ہوا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ رجعت مستحب ہے۔ اور عورت کا بناؤ سنگار کرنا شوہر کو رجعت پر آمادہ کرنے والا ہے اس وجہ سے مطلقہ رجعیہ کا اپنے آپ کو مزین کرنا اور صاف ستھرا رکھنا مشروع ہے۔

(ج): مطلقہ رجعیہ کے پاس مراجعت کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں اسے آگاہ کرکے جانا اس وجہ سے مستحب ہے کہ عورت بسا اوقات گھر میں برہنہ ہوجاتی ہے۔ پس اگر بغیر مطلع کئے ہوئے شوہر داخل ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ شوہر کی نگاہ عورت کے ایسے بدن پر پڑ جائے جس سے رجعت ثابت ہوجائے اور وہ جگہ فرج ہے یعنی جب شوہر کی نگاہ عورت کی فرج پر پڑے گی تو شوہر عورت سے رجوع کرلے گا۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۳۷۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور چوں کہ اس شخص کا ارادہ رجعت کا نہیں ہے بلکہ اس کا ارادہ طلاق کا ہے تو ہوسکتا ہے کہ عورت کی ظاہری زینت سے شوہر ضبط نہ کرسکے اور جماع کر لے تو رجعت ہوجائے گی پھر اپنا مقصد پورا کر کے عورت کو طلاق دیدے گا کیوں کہ اس کا مقصد تو طلاق دینا ہی ہے، رکھنا مقصد نہیں ہے۔ اور طلاق دینے کی صورت میں عورت پر خواہ مخواہ عدت لمبی ہوجائے گی۔ کیوں کہ عورت پہلے طلاق رجعی کے وقت سے عدت گذارے گی تو اس صورت میں عورت کو اذیت اور تکلیف دینا ہوگا۔ اس وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو باخبر کردے۔ یا اپنے جوتوں کی آہٹ سنادے یا کھنکار کر داخل ہو۔

ہدایہ ثانی: ص/۴۰۹

وَإِنْ خَالَعَهَا عَلٰى أَلْفٍ عَلٰى أَنَّهُ ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَالْأَلْفُ عَلٰى الْأَبِ لِأَنَّ اِشْتِرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلٰى الْأَجْنَبِيِّ صَحِيْحٌ فَعَلٰى الْأَبِ أَوْلٰى وَلَا يَسْقُطُ مَهْرُهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وِلَايَةِ الْأَبِ وَإِنْ شَرَطَ الْأَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلٰى قُبُوْلِهَا إِنْ كَانَتْ مِنْ أَهْلِ الْقَبُوْلِ فَإِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْغَرَامَةِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): خلع کی تعریف، "خالعها" کی ضمیر مفعول کا مرجع اور ضمان غرامت کی مراد واضح کریجئے۔

(ج): صورت مسئلہ لکھ کر پوری عبارت کو تشریح کیجئے۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ہزار درہم پر خلع دیا اس شرط پر کہ وہ (یعنی بیوی کا باپ اس مال کا) ضامن ہے تو خلع واقع ہوجائے گا اور ہزار درہم باپ پر واجب ہوں گے کیوں کہ اجنبی پر بدل خلع کی شرط لگانا صحیح ہے تو باپ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پر (یہ شرط لگانا) بدرجہ اولیٰ صحیح ہے اور عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ وہ باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے۔ اور اگر شوہر نے اس ایک ہزار درہم کو اس (صغیرہ) پر شرط کیا ہو تو (خلع کا جائز ہونا) خود صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہے بشرطیکہ وہ قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو، پس اگر صغیرہ نے قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اور مال واجب نہیں ہوگا کیوں کہ صغیرہ اہل تاوان میں سے نہیں ہے۔

(ب): خـلـع بضم الخاء وبفتح الخاء: دونوں طرح آیا ہے لغت میں اس کے معنی النزع کے ہیں یعنی نکال ڈالنا اور الگ کرنا اصطلاح میں "عبارۃ عن اخذ مال المرأۃ بازاء ملک النکاح بلفظ الخلع" یعنی خلع کہتے ہیں عورت سے لفظ خلع کے ساتھ ملکِ نکاح کے مقابلے میں مال لینا۔ (ہدایہ: ج ۲/ ص: ۴۰۴)

صاحب فتح القدیر کے نزدیک تعریف اس طرح ہے "اخذ المال بازاء ملک النکاح"۔ (فتح القدیر: ج ۴/ ص/ ۱۸۸)

"خالعها" کی ضمیر مفعول کا مرجع، صغیرہ ہے۔ (بنایہ: ج ۵/ ص/ ۵۲۸)

ضمان سے مراد یہاں پر "التزام المال لاالکفالۃ عن الصغيرة لعدم وجوب المال عليها"۔ (فتح القدیر: ج ۴/ ص/ ۲۱۲)

یعنی اپنے اوپر مال لازم کرنا نہ کہ صغیرہ کی جانب سے کفیل ہونا کیوں کہ صغیرہ پر مال واجب نہیں ہے اور صاحب بنایہ کے نزدیک ضمان سے مراد "التزام المال على نفسه لاللكفالة، لأن الزوج لا يستحق عليه مالاحتى يكفل عنها أحد". (بنایہ: ص: ۵۲۸)

یعنی ضمان سے مراد اپنے اوپر مال لازم کرنا، نہ کہ صغیرہ کی جانب سے کفیل ہونا اس لیے کہ شوہر کو صغیرہ پر مال وغیرہ کا استحقاق نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کی طرف سے کوئی کفیل ہو۔

(ج): تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی سے ایک ہزار درہم پر اس شرط کے ساتھ خلع کیا کہ بیوی کا باپ، اس ایک ہزار کا ضامن ہوگا تو اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صورت میں خلع واقع ہوجائے گا اور اس کے باپ پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اجنبی پر بدلِ خلع کی شرط لگانا صحیح ہے۔ جیسے شوہر اور بیوی کے علاوہ کسی شخص نے شوہر سے کہا کہ تو اگر اپنی بیوی سے خلع کرلے تو ایک ہزار درہم خلع کا عوض مجھ پر ہے پس شوہر نے اس شرط پر خلع صحیح ہے۔ حالانکہ خلع کا عوض، ایک اجنبی شخص کے ذمہ ہے پس اگر بیوی کے باپ نے اپنے ذمہ خلع کا عوض رکھا تو بدرجۂ اولیٰ صحیح ہے اور باپ کو یہ عوض دینا پڑے گا اور عورت (صغیرہ بیوی) کا مہر اس واسطے ساقط نہ ہوگا۔ اگرچہ خلع مہر کو ساقط کردیتا ہے۔ کہ مہر باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے کیوں کہ مہر ساقط کرنے میں صغیرہ پر کوئی شفقت نہیں ہے حالانکہ ولایت تو شفقت ہی کے لیے ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اس ایک ہزار درہم کو جو کہ بدل خلع ہے اپنی صغیرہ بیوی پر شرط کردیا تو جواز خلع خود اس صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا بشرطیکہ وہ صغیرہ قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو۔ یعنی عقد کو سمجھتی ہو اور یہ سمجھتی ہو کہ خلع سے نکاح زائل ہوکر چھٹکارا حاصل ہوتا ہے مگر مال دینا پڑتا ہے پس اگر صغیرہ نے قبول کرلیا تو طلاق پڑجائے گی کیوں کہ قبول کی شرط پائی گئی البتہ مال واجب نہیں ہوگا کیوں کہ صغیرہ اس کی لیاقت نہیں رکھتی کہ اس پر تاوان وغیرہ لازم ہو۔

ہدایہ ثانی: ص/۴۱۰

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّيْ أَوْ كَأُمِّيْ يُرْجَعُ إِلَى نِيَّتِهِ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْئٍ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَكُوْنُ ظِهَاراً لِأَنَّ التَّشْبِيْهَ بِعُضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظِهَاراً؟ فَالتَّشْبِيْهُ بِجَمِيْعِهَا أَوْلَى وَإِنْ عَنَى بِهِ التَّحْرِيْمَ لَا غَيْرَ؟ فَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ هُوَ إِيْلَاءٌ لِيَكُوْنَ الثَّابِتُ بِهِ أَدْنَى الْحُرْمَتَيْنِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ لِأَنَّ كَافَ التَّشْبِيْهِ تَخْتَصُّ بِهِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ و مطلب تحریر کریں۔
(ب): امام ابو یوسفؒ نے ایلاء کو ادنی الحرمتین کہا ہے یہ کس حرمت کے مقابلہ میں کہا ہے؟ نیز اس حرمت کے ادنیٰ ہونے کی وجہ بھی لکھئے۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے یا میری ماں کے مانند ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو یہ طلاق بائن ہے اور اگر اس کی کچھ نیت نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کلام کچھ نہیں ہے؟ کیوں کہ کرامت پر محمول کرنے کا احتمال ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا ظہار ہوگا کیوں کہ (بیوی کو) جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہو جاتا ہے تو ماں کے پورے بدن سے تشبیہ دینا بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس کلام سے فقط حرام کرنا مراد لیا ہے تو ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ایلاء ہے تا کہ اس کلام سے دو حرمتوں میں سے ادنیٰ حرمت ثابت ہو جائے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہے، کیوں کہ کافِ تشبیہ ظہار ہی کے لیے مخصوص ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ”انت علی کامی“ یا ”انت علی مثل امی“ تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی یعنی جیسی نیت کرے گا ویسا حکم ہوگا اگر اس نے کہا کہ میں نے اپنے اس کلام سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اس کلام سے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ کلام شیخین کے نزدیک لغو ہوگا یعنی اس پر کفارہ نہیں ہوگا کیوں کہ یہ کلام مجمل ہے اور کہنے والے نے اپنی مراد بیان نہیں کی ہے اس وجہ سے اس کا مصداق متعین کیا جا سکتا، کیوں کہ ایک طرف اگر یہ کلام طلاق اور ظہار کا احتمال رکھتا ہے تو دوسری طرف اس میں کرامت کا احتمال بھی موجود

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ عدم نیت کی صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا۔ اور اگر اس نے ''انت علي مثل أمي'' سے تحریم کا ارادہ کیا یعنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا ارادہ کیا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایلاء ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہوگا امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایلاء کی حرمت ادنیٰ اور اخف ہے بمقابلہ حرمتِ ظہار کے۔ اور قاعدہ ہے کہ کسی کلام میں دو حرمتیں جمع ہو جائیں تو اس کلام کو ادنیٰ درجہ کی حرمت پر محمول کیا جائے گا اس لیے ''انت علي مثل امي'' کو تحریم کا ارادہ کرنے کی صورت میں حرمتِ ایلاء پر محمول کیا جائے گا نہ کہ حرمتِ ظہار پر۔

اور امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ''انت علي مثل امي'' اور ''کامي'' میں حرفِ تشبیہ موجود ہے اور حرف تشبہ اور کاف تشبیہ ظہار کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے اس کلام کو ظہار کی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

(ب): امام ابو یوسفؒ نے ایلاء کو جواد فی الحرمتین کہا ہے یہ حرمتِ ظہار کے مقابلے میں ہے نیز اس حرمت کے ادنیٰ ہونے کی کئی وجہ ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ حرمتِ ایلاء بالفعل ثابت نہیں ہوتی بلکہ چار ماہ گذر جانے کے بعد ثابت ہوتی ہے اور ظہار میں حرمت بالفعل ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مدتِ ایلاء میں وطی کے ذریعہ حرمتِ ایلاء کا دور کرنا ممکن ہے اور ظہار اس کے برخلاف ہے کہ اس میں کفارہ دینے سے پہلے، وطی کرنا کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ظہار، فحش اور جھوٹ ہے اور ایلاء مباح اور جائز ہے۔

(بنایہ: ج/۵، ص/۵۳۷)

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ایلاء کی حرمت لغیر ہا ہے یعنی اللہ کے نام کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے حرمت پیدا ہوتی ہے اور ظہار کی حرمت لعینہا ہے کیوں کہ ظہار ''منکرا من القول وزورا'' ہے یعنی ظہار فی نفسہ کذب بیانی ہے۔ (حاشیہ ہدایہ: ج/۲، ص/۴۱۰)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہدایہ ثانی: ص/۴۲۰

وَإِن اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيَ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَاعَنَ، لِأَنَّهُ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِيْ وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ وَالْإِقْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ: عَفِيْفَةٌ ثُمَّ قَالَ: هِيَ زَانِيَةٌ وَفِي ذٰلِكَ التَّلَاعُنُ، كَذَا هٰذَا.

(الف): ترجمہ اور مطلب تحریر کریں۔

(ب): ''لما ذکرنا'' سے جس دلیل کی طرف اشارہ ہے اس کو تحریر کریں۔

(ج) ''والاقرار بالعفة'' سے جس ہدایہ ثانی: کا جواب دینا مقصود ہے اس کو لکھ کر جواب کی وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور اگر شوہر نے پہلے (بچہ) کا اقرار کیا اور دوسرے کی نفی تو دونوں کا نسب (اس سے) ثابت ہو جائے گا مذکورہ دلیل کی وجہ سے اور وہ (شوہر) لعان کرے گا اس لیے کہ وہ دوسرے بچہ کی نفی کر کے (بیوی پر) تہمت لگانے والا ہے اور اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اور (بیوی کے) عفیفہ ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے اور اس طرح کہنے میں باہمی لعان کرنا واجب ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں بھی۔

تشریح: اس عبارت سے پہلے یہ مسئلہ آیا تھا کہ اگر ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے اور دونوں بچوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فصل ہے پھر اس عورت کے شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کی نفی کر دی اور دوسرے بچہ کے نسب کا اقرار کیا تو دونوں کا نسب اسی سے ثابت ہو جائے گا۔ اب اس عبارت کے اندر مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کے نسب کی نفی کی تو اس صورت میں بھی دونوں بچوں کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دلیل: وہی ہے جو پہلے مسئلہ میں تھی کہ دونوں بچے جڑواں ہیں ایک ہی مني سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ اس کا ہو اور دوسرا اس کا نہ ہو البتہ اس صورت یعنی اول کے نسب کے اقرار اور ثانی کے نسب کی نفی کی صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوگا کیوں کہ شوہر نے اس صورت یعنی ثانی بچہ کے نسب کی نفی کر کے اپنی بیوی پر تہمت لگائی اور اس سے رجوع نہیں کیا۔

(ب): ''لما ذكرنا: سے ''لانهماتو أمان خلقا من ماء واحد'' کی طرف اشارہ ہے۔

(ج): ''والاقرار بالعفة: سے ایک ہدایہ ثانی: کا جواب دینا مقصود ہے۔

ہدایہ ثانی کی تقریر: یہ ہے کہ جب شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کے ثبوت کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کے نسب کی نفی کی تو پہلے بچہ کے نسب کے ثبوت کا اقرار دوسرے بچہ کی نفی کرنے کے بعد بھی باقی ہے۔ پس یہ سمجھا جائے گا کہ قذف یعنی تہمت لگانے کے بعد ابتداً اقرار کیا ہے اور بچہ کی نفی اور تہمت لگانے کے بعد اگر اقرار پایا جائے تو اس صورت میں حد واجب ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی حد واجب ہونی چاہیے حالانکہ آپ نے لعان واجب کیا ہے۔

اس ہدایہ ثانی کا جواب: یہ ہے کہ شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کر کے عورت کی عفت اور پاکدامنی کا اقرار کیا ہے، اور عفت کا اقرار حقیقتاً قذف یعنی تہمت پر مقدم ہے اور اعتبار حقیقت کا ہوتا ہے پس یہ ایسا ہو گیا گویا کہ شوہر نے کہا کہ یہ عورت عفیفہ ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے اور اس صورت میں لعان واجب ہوتا ہے حد واجب نہیں ہوتی ہے اور یہی صورت یہاں بھی ہے لہٰذا یہاں بھی لعان واجب ہوگا حد واجب نہیں ہوگی۔

ہدایہ ثانی: ص/۴۲۱

وَلَوِ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ فِي الْوُصُولِ اِلَيْهَا فَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا وَإِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً وَإِنْ كَانَتْ بِكْرًا نَظَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ أُجِّلَ سَنَةً بِظُهُوْرِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

كِذْبِهِ وَإِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ يُحَلَّفُ الزَّوْجُ فَإِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا وَإِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً وَإِنْ كَانَ مَجْبُوبًا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ.

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مطلب لکھتے ہوئے دلائل کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت کریں۔

(ج): عورت کے حق کے بطلان کا کیا مفہوم ہے؟

(د): مجبوب ہونے کی صورت میں فوری تفریق کیوں کرادی جائے گی اس کو دلیل سے واضح کریں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ:** اور اگر شوہر اور بیوی کے پاس پہنچنے (یعنی وطی واقع ہونے) میں اختلاف ہو۔ پس اگر یہ عورت ثیبہ تھی تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا۔ پھر اگر شوہر نے قسم کھائی تو عورت کا حق باطل ہوگیا۔ اور اگر عورت باکرہ ہو۔ تو عورتیں اس کو دیکھیں پھر اگر کہیں کہ یہ عورت باکرہ ہے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے کیوں کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہوگیا۔ اور اگر عورتوں نے کہا کہ ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم کھالیا تو عورت کے واسطے کچھ حق نہیں ہے اور اگر اس نے انکار کردیا تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو دونوں میں فی الحال تفریق کردی جائے گی۔

اس کی دلیل: یہ ہے کہ شوہر اپنے اور بیوی کے درمیان حقیقتاً جدائی کے ثابت ہونے کا منکر ہے اور بیوی فرقت کے استحقاق کی مدعی ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ آلۂ تناسل سلامت ہو۔ بس شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے وطی کرلی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد آلۂ تناسل کے صحیح ہونے کا دعویٰ کررہا ہے اور عورت کا یہ کہنا کہ اس نے وطی نہیں کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت آلۂ تناسل کی سلامتی کا قائل نہیں ہے۔ اور شوہر کا قول ظاہر کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

موافق ہے اور عورت کا قول ظاہر کے خلاف ہے۔ اور جس کا قول ظاہر کے موافق ہو وہ مدعی علیہ کہلاتا ہے اور جس کا ظاہر کے خلاف ہو وہ مدعی کہلاتا ہے۔ پس شوہر کا قول چوں کہ ظاہر کے موافق ہے اس لیے شوہر مدعی علیہ ہوگا اور عورت کا قول ظاہر کے خلاف ہے اس لیے عورت مدعیہ ہوگی۔ اور قاعدہ ہے کہ بینہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اور چوں کہ عورت کے پاس گواہ نہیں ہے اس لیے شوہر کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا نہ کہ عورت کا قول۔

اب اگر شوہر نے قسم کھالی اس بات پر کہ میں وطی کر چکا ہوں تو اب اس کی بیوی کا حق باطل ہو جائے گا اور اگر شوہر نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اب شوہر کو علاج کرانے کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی فوراً تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ یہ مسئلہ تو اس وقت تھا جب کہ عورت ثیبہ ہو لیکن اگر عورت باکرہ ہے اور شوہر وطی کا مدعی ہے اور عورت اس کی منکر ہے۔ تو اب اس صورت میں عورتیں اس کی بیوی کو دیکھیں گی کہ آیا یہ باکرہ ہے یا ثیبہ۔ پس اگر ان دیکھنے والی عورتوں نے کہا کہ اس کی بیوی باکرہ ہے تو بیوی کا قول معتبر ہوگا اور اس کے شوہر کو علاج کرانے کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی فوراً تفریق نہیں کرائی جائے گی۔ شوہر کو علاج کرانے کے لیے مہلت دی جائے گی، کیوں کہ شوہر کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا اس لیے کہ اگر شوہر اس سے وطی کیا ہوتا تو وہ باکرہ نہ رہتی بلکہ ثیبہ ہو جاتی۔ لیکن اگر ان دیکھنے والی عورتوں نے اس کی عورت کے بارے میں کہا کہ یہ ثیبہ ہے تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی کیوں کہ ممکن ہے کہ عورت کی بکارت کسی دوسری وجہ سے زائل ہو گئی ہو وطی کی وجہ سے زائل نہ ہوئی ہو۔ اس وجہ سے ان دیکھنے والی عورتوں کی شہادت کے ساتھ شوہر پر قسم کھانے کی شرط لگا دی گئی ہے پس اگر شوہر نے قسم کھالی تو عورت کے لیے کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور اگر شوہر نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اب شوہر کو علاج کرانے کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

اب رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ عورت ثیبہ ہے، یا باکرہ صاحب بنایہ نے فرمایا کہ اس کو معلوم کرنے کے تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پہلی صورت: یہ کہ عورت کی شرمگاہ میں مرغی کا چھوٹا سا انڈا داخل کیا جائے اگر آسانی سے بغیر سختی کے داخل ہوجائے تو ثیبہ ہے ورنہ باکرہ ہے۔
دوسری صورت: یہ ہے کہ عورت کے لیے دیوار پر پیشاب کرنا ممکن ہے تو باکرہ ہے ورنہ ثیبہ ہے۔
تیسری صورت: یہ کہ انڈا توڑ کر شرمگاہ میں بہایا جائے پس اگر وہ اندر چلا گیا تو سمجھو کہ وہ عورت ثیبہ ہے ورنہ باکرہ ہے۔
(ہدایہ ثانی حاشیہ نمبر: ۶، ص/۴۲۱، بنایہ: ج/۵، ص/۵۸۶، فتح القدیر: ج/۴، ص/۲۷۰)
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو شوہر کو بغیر مہلت دیئے ہوئے دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی بشرطیکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے۔
دلیل: یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی طرف سے وطی متوقع نہیں ہے اس وجہ سے اس کو مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔
(ج): عورت کے حق کے بطلان کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کا حق تاجیل اور فسخ میں باطل ہوجائے گا یعنی عورت وطی کا انکار کرکے فوراً تفریق کرانا چاہتی تھی لیکن جب شوہر نے قسم کھالی تو اب عورت کا حق جو کہ فسخ تھا وہ باطل ہوجائے گا۔ (شرح وقایہ: ج/۲، بین السطور ص/۱۴۳)
اور حق کے بطلان کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ عورت کا دعوی باطل ہوجائے گا۔
(شرح وقایہ: ج/۲، حاشیہ نمبر ۱۲، ص/۱۴۲)
(د): مجبوب یعنی مقطوع الذکر ہونے کی صورت میں فوراً تفریق کرادی جائے گی اس کی دلیل عبارت کی وضاحت کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

ہدایہ ثانی: ص/۴۲۲

وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ بَرَصٌ أَوْ جُذَامٌ فَلاَ خِيَارَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ بِخِلاَفِ جَانِبِهِ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلاَقِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف): ترجمہ کریں۔

(ب): مذکورہ مسئلہ اوراس میں ائمہ کرام کے اختلاف اوردلائل کی مکمل تشریح کریں۔

(ج): شوہر میں جنون یا برص یا جذام کے پائے جانے کے باوجود شیخین کے نزدیک بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار کیوں نہیں دیا گیا؟ جب کہ مجبوب اور عنین ہونے کی صورت میں بیوی کو اختیار ہے وجہ فرق کی وضاحت کریں۔

الجواب

(الف): ترجمہ: اور جب شوہر کو جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک عورت کو (نکاح فسخ کرانے کا) اختیار نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ بیوی کو یہ اختیار حاصل ہے۔ بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے۔ جیسا کہ مقطوع الذکر اور عنین میں برخلاف شوہر کی جانب کے کہ وہ طلاق کے ذریعہ ضرر دور کرنے پر قادر ہے۔

(ب): عبارت کی تشریح مع ائمہ کرام کے اختلاف ودلائل: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کو جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو شیخینؒ کے نزدیک عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل قیاس ہے یعنی امام محمدؒ شوہر کے اس مرض کو اس کے مقطوع الذکر اور عنین ہونے پر قیاس کرتے ہیں جس طرح شوہر کا ذکر اگر کٹا ہوا ہو یا شوہر نامرد ہو تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوتا ہے ایسے یہاں بھی یعنی اس مرض میں بھی عورت کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ دونوں کے درمیان علتِ مشترکہ عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے۔ یعنی جس طرح مقطوع الذکر اور عنین ہونے کی صورت میں عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے اس کو اختیار دیا گیا ہے اسی طرح اگر شوہران امراض میں مبتلا ہو تو بھی عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر برص اور جذام وغیرہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امراض عورت کے اندر پائیں جائیں تو شوہر کو اختیار نہیں دیا جائے گا کیوں کہ شوہر طلاق کے ذریعہ اپنے سے ضرر دور کرنے پر قادر ہے اس لیے اس کو فسخِ نکاح کا اختیار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ عورت کو خیار یعنی نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہ ہو۔ کیوں کہ عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار دینے میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔

(ج): شورہ میں اگر جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو شیخینؒ کے نزدیک بیوی کو فسخِ نکاح کا اختیار نہیں دیا گیا اور اگر شوہر مقطوع الذکر یا عنین ہو تو اس صورت میں عورت کو فسخِ نکاح کا اختیار دیا گیا۔ ان دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر اور عنین یہ دونوں نکاح کے مقصود شرعی یعنی وطی کو فوت کر دیتے ہیں اور جنون برص اور برص بالکلیہ اس مقصود کو فوت نہیں کرتے۔ پس مقیس جو کہ جنون وغیرہ ہیں اور مقیس علیہ جو کہ مقطوع الذکر اور عنین ہیں دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

(بنایہ: ص/۵۹۰-۵۹۱)

ہدایہ ثانی: ص/۴۲۵

وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِيْ الطَّلَاقِ عَقِيْبَ الطَّلَاقِ وَفِيْ الْوَفَاةِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدْ إِنْقَضَتْ عِدَّتُهَا لِأَنَّ سَبَبَ وُجُوبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ أَوِ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ إِبْتِدَاءُ هَا مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِ السَّبَبِ. وَمَشَايِخُنَا يَفْتُوْنَ فِيْ الطَّلَاقِ أَنَّ إِبْتِدَاءَ هَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ.

(الف): ترجمہ کیجئے۔

(ب): اور بوضاحت مطلب لکھئے۔

(ج): مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت بیان کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

(الف): ترجمہ: اور طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد ہی سے ہوگی، اور وفات کی صورت میں وفات کے بعد سے ہوگی۔ پھر اگر (عورت کو) طلاق یا وفات کا علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ عدت کی مدت گذر گئی تو اس کی عدت پوری ہو چکی۔ کیوں کہ عدت کے واجب ہونے کا سبب (یہی) طلاق یا وفات ہے۔ تو سبب پائے جانے کے وقت سے عدت کی ابتداء معتبر ہوگی۔ اور ہمارے مشائخ طلاق کو صورت میں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی۔ تاکہ باہمی اتفاق کر لینے کی تہمت دور ہو۔

(ب): تشریح: اس عبارت کے اندر مصنف فرماتے ہیں کہ عدت کی مدت کب سے شمار کی جائے گی۔ چنانچہ فرمایا کہ طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد سے ہوگی اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی چنانچہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور عورت کو طلاق کا علم نہیں ہوا، یا شوہر کی وفات ہوگئی اور عورت کو معلوم نہ ہو سکا یہاں تک کہ عدت کا زمانہ گذر گیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی۔ معلوم ہونے کی بعد عدت کا اعادہ نہیں ہوگا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ واجب کرنے والی علت طلاق ہے یا وفات ہے۔ پس وجوبِ عدت معلول ہوا اور طلاق یا وفات علت ہوئی اور چونکہ علت پائی گئی اور معلول اپنی علت کے ساتھ متصل ہوتا ہے اس لیے وجوبِ عدت اپنی علت یعنی طلاق یا وفات کے ساتھ متصل ہوگا۔ اور علت اور سبب پائے جانے کے وقت سے ہی علت یعنی طلاق یا وفات کے ساتھ متصل ہوگا۔ اور علت اور سبب پائے جانے کے وقت سے ہی عدت کی ابتداء معتبر ہوگی۔

صاحبِ فتح القدیر نے کہا کہ وجوبِ عدت کا سبب طلاق کو قرار دینا تساہل ہے کیوں کہ عدت کا سبب وہ نکاح ہے جو دخول کے ساتھ متاکد ہوا اور طلاق تو وجوب عدت کے لیے شرط ہے۔ مناسب یہ تھا کہ صاحبِ ہدایہ یوں فرماتے "لان عند الطلاق والموت یتم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

السبب فیستعقبھا من غیر فصل" یعنی طلاق اور موت کے وقت سبب پورا ہو جاتا ہے۔لہٰذا عدت اس کے فوراً بعد بغیر کسی فصل کے واجب ہوگی۔(فتح القدیر: ج۴، ص ۲۹۵)

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ بخارا اور سمرقند کے علماء کا طلاق کی صورت میں فتویٰ یہ تھا کہ عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی۔مثلاً مرد اپنی بیوی سے ایک زمانہ جدا رہا پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے اتنے روز پہلے طلاق دے چکا اور عورت کو اس کا علم نہیں۔پس اگر عورت نے اس کی تصدیق کی تو اس کی عدت کی ابتداء اسی وقت سے ہوگی۔

اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ تا کہ باہمی اتفاق کر لینے کی تہمت دور ہو سکے۔یعنی ممکن ہے کہ میاں بیوی نے طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کر لیا ہو تا کہ شوہر اس کے لیے دین کا اقرار کر لے یا وصیت کر دے۔پس اس تہمت کو دور کرنے کے لیے اقرار کے وقت سے اس کی عدت کا اعتبار کیا جائے گا۔

(ج): مطلقہ عورت کی دو صورتیں ہیں: یا تو مدخولِ بہا ہوگی یا غیر مدخول بہا۔اگر غیر مدخول بہا ہے تو کوئی عدت نہیں ہے اور اگر مدخول بہا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو حیض آتا ہوگا یا حیض نہیں آتا ہوگا اگر حیض آتا ہے تو تین تین حیض ہے اور اگر حیض نہیں آتا ہے تو تین مہینہ ہے۔

اور اگر متوفی عنہا زوجہا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو حاملہ ہوگی یا غیر حاملہ۔اگر حاملہ ہے تو مدت وضعِ حمل ہے اور اگر غیر حاملہ ہے تو مدت چار مہینہ دس دن ہے۔

ہدایہ ثانی. ص/ ۴۴۶

وَلَا يُشْرِكُ الْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ أَبَوَيْهِ أَحَدٌ لِأَنَّ لَهُمَا تَأْوِيْلًا فِيْ مَالِ الْوَلَدِ بِالنَّصِّ وَلَا تَاوِيْلَ لَهُمَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ وَلِأَنَّهٗ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِمَا فَكَانَ أَوْلٰى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ. وَهِيَ عَلَى الذُّكُوْرِ وَالْإِنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِأَنَّ الْمَعْنٰى يَشْمَلُهُمَا.

(الف): ترجمہ کیجیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب): تفصیل سے مطلب بیان کرتے ہوئے بتائیے کہ بالنص میں نص سے کیا مراد ہے؟
(ج): وھی علی الذکور سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟
(د): ”لان المعنٰی“ کی مراد وضاحت سے لکھیں۔

الجواب

(الف): **ترجمہ**: اور والدین کے نفقہ میں بیٹے کے ساتھ کوئی (شخص) شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ والدین کے واسطے اپنے بچے کے مال میں بطریقِ نص ایک تاویل ہے اور غیر کے مال میں ان کے واسطے کوئی تاویل نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ والدین کی طرف لوگوں میں وَلَدْ ہی سب سے زیادہ قریب ہے۔ پس ان دونوں کے نفقہ کا استحقاق اس (ولد) پر بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اور ظاہر الروایہ میں والدین کے نفقہ کا استحقاق لڑکے اور لڑکیوں پر برابر ہے۔ اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ سبب ان دونوں کو یکساں شامل ہے۔

(ب): **مطلب**: صورتِ مسئلہ یہ ہے اگر والدین تنگدست ہوں اور ان کا بچہ مالدار ہو اور وہ نفقہ دے سکتا ہو تو قاضی یہ حکم نہ دے گا کہ اور قرابتی بھی شریک ہو کر اس کے والدین کو نفقہ دیں۔ بلکہ ان کا نفقہ خاص طور ان کے بچہ پر واجب ہوگا دوسرے رشتہ داروں پر واجب نہیں ہوگا۔
دلیل: یہ ہے کہ والدین اپنے بچہ کے مال میں حدیث ”**انت ومالک لابیک**“ کی وجہ سے تاویل کر سکتے ہیں۔ اور غیر کے مال میں تاویل نہیں کر سکتے یعنی غیر کا مال ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ پس یہ دونوں اپنے بیٹے کے مال کی وجہ سے مالدار ہوں گے اور مالدار کا **نفقہ غیر پر واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا والدین کے نفقہ میں ولد کے علاوہ کوئی قریبی رشتہ دار شریک نہیں ہوگا۔**
دوسری دلیل: یہ ہے کہ نفقہ ایک عطیہ ہے جو قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لہٰذا جو والدین سے زیادہ قریب ہوگا وہی ان کو نفقہ دینے کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اور چوں کہ بچہ اپنے والدین سے زیادہ قرابت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے۔ اس لیے والدین کا نفقہ صرف اسی پر واجب ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ظاہر الروایت میں ہے کہ والدین کے نفقہ میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں یعنی اگر باپ محتاج ہے اور اس کے ایک لڑکا ہی اور ایک لڑکی ہے اور دونوں مالدار ہیں تو باپ کا نفقہ دونوں پر آدھا آدھا واجب ہوگا۔ اور ظاہر الروایت کا مذہب زیادہ صحیح بھی ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ نفقہ کے وجوب کا سبب جو کہ ولادت ہے دونوں یعنی لڑکا اور لڑکی کو برابر شامل ہے۔

بالنص میں نص سے مراد حدیث ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "انت ومالک لابیک" ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۲۰۳)

(ج): **وھی علی الذکور:** سے مصنفؒ ظاہر الروایت کے حکم کو بیان کر رہے ہیں کہ اگر والدین محتاج ہوں تو لڑکا اور لڑکی دونوں پر برابر یعنی آدھا آدھا نفقہ واجب ہوگا اور اس سے شمس الائمہ سرخسیؒ کے قول سے احتراز کرنا بھی مقصود ہے کیوں کہ امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ اگر باپ محتاج ہو تو لڑکے پر باپ کا نفقہ دو تہائی واجب ہوگا اور لڑکی پر ایک تہائی واجب ہوگا انہوں نے میراث پر قیاس کیا ہے۔ یہی علامہ عینیؒ نے فرمایا ہے۔ (بنایہ: ص/۲۰۳-۲۰۴)

لیکن صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ اس سے امام ابوحنیفہؒ سے امام حسن کی روایت سے احتراز ہے۔ کیوں کہ وہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں کہ لڑکے پر دو تہائی اور لڑکی پر ایک تہائی واجب ہوگا۔ (فتح القدیر: ج/۴، ص/۴۲۸)

(د): "**لأن المعنی** سے مراد ولادت ہے اور یہی سبب وجوب ہے اور یہ لڑکا اور لڑکی دونوں کو برابر شامل ہے۔ (بنایہ: ج/۵، ص/۲۰۴)

اور ہدایہ کے حاشیہ (۱۳) میں لکھا ہے کہ والدین کا استحقاق وہ تاویل کے اعتبار سے ہے اور بچے کے مال میں والدین کے ملک کا حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "**انت ومالک لابیک**" کی وجہ سے ہے۔ اور یہ معنی مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے لہذا نفقے میں دونوں برابر ہوں گے۔ (ہدایہ ثانی: ص/۴۴۶)

بحمد اللہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa